خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
JULY 2005

ناولٹ

ریحانہ آفتاب

نیند جس نے چرائی ہے

digestlibrary.com

رجائیت علی زیدی نے عالم اشتعال میں کمرے کے گرداب تک کوئی دو سو کے قریب چکر لگا ڈالے تھے۔ کئی گلاس ٹھنڈے ٹھار پانی کے پی چکی تھی۔ سیون اپ کے چار ٹن حلق میں انڈیل لیے تھے مگر اشتعال کا ہنوز وہی عالم تھا۔ وہ غصے میں کیوں نہ ہوتی؟ تھرڈ ایئر کے ایگزام میں ڈیڑھ ماہ رہ گیا تھا اور اس کی تیاری "منہ چھپانے" لائق بھی نہ تھی۔ یہ کون سی نئی بات تھی اب تک کے اس کے "حالات" اسی طرح سے تھے اور ان "حالات" کو بدلنے کا اس کا کوئی موڈ نہ تھا۔ اس وقت بھی غصے کی وجہ ایگزام کا نزدیک آنا نہیں تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی غصہ کرنے والی بات تھی؟ کیا ہوا جو تیاری نہیں ہے زیادہ سے زیادہ فیل ہو جاتی۔

اسے غصہ تو کسی اور بات پہ تھا۔ کوئی پینتالیس منٹ پہلے ماما اسے بتا کر گئی تھیں کہ اتنے شارٹ نوٹس پہ کوئی ٹیوٹر اپائنٹ نہیں ہو سکتا اسی لیے اسے پڑھانے کا فریضہ انہوں نے "شہروان فریدی" کے ذمہ لگا دیا ہے اور وہ "سعادت مند" "راضی بھی ہو گیا ہے۔"

رجائیت علی زیدی کو ان آخری کے دو حروف "ہو گیا ہے" پہ ہی صدمہ ہوا تھا۔

"کیا دنیا میں ٹیوٹر ناپید ہو گئے ہیں جو میرے لیے ایک بھی ٹیوٹر نہ بچا؟ اور اب مجھے اس شہروان فریدی سے پڑھنا ہوگا۔ اس کتابی کیڑے سے جسے پوزیشن لینے کا "خبط" ہے۔ مونٹیسوری سے ایم بی اے اور ایم سی ایس تک تو اس نے اپنا ریکارڈ نہیں توڑا تھا۔"

رجائیت علی زیدی کو تو شروع سے ہی اتنا پڑھا کو جینئس ذہین و فطین اور پتہ نہیں کیا کیا شہروان فریدی

زہر سے زیادہ برا لگتا تھا۔ اس جیلسی کی وجہ شاید اس کی شہرت تھی۔ خاندان کے تمام بڑے اس جیسے نکموں' بے شرموں کو شہون کا حوالہ دے کر شرمندہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے تھے مگر کچھ ڈھیٹ رجائیت علی زیدی جیسے بھی پائے جاتے تھے۔ اسے اپنے تایا زاد سے اسی وقت چڑ ہو گئی تھی جب آٹھویں کلاس میں اسے بیسٹ اسٹوڈنٹ کا ٹائٹل دیا گیا تھا۔ مونٹیسوری سے آٹھویں تک وہ اپنی کلاس میں فرسٹ آتا رہا تھا جو کہ اسکول میں بھی اک ریکارڈ تھا۔ وہ بھی اسی اسکول میں زیر تعلیم تھی اور رو دھو کر پاس ہو جاتی تھی۔ صرف نصابی ہی نہیں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی اس کا نام گونجتا تھا۔ اسکول میں بیت بازی ہے' کمپیئرنگ کا فریضہ انجام دینا ہے یا کوئی ڈرامہ ڈائریکٹ کرنا ہے۔ ورسٹائل ہیرو کی جاندار پرفارمنس دینی ہے' اسکول کی عمارت کو 14th اگست پہ سجانا سنوارنا ہے' ڈیبیٹر کی اشد ضرورت ہے نعت خوانی یا قرأت کا اہتمام ہے' اسکول کا الگ الگ بینڈ بننا چاہیے۔ گٹار پلیئر یا سنگر کی ضرورت ہو تو سب کا اک ہی جواب ہوتا "شہون فریدی ہے نا۔"

"اونہہ! شہون فریدی نہ ہو گیا "صرف ایکسل" ہو گیا۔" وہ جل کر دعا کرتی کہ اس کا میٹرک پلک جھپکتے ہو جائے اور وہ جلدی اسکول سے دفعان ہو۔ وہ میٹرک کر کے چلا تو گیا تھا مگر وہ تب بھی تلملاتی رہی تھی کیونکہ میٹرک میں بھی اس نے فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بنا اترا اترا کر اخبارات کو انٹرویو دے رہا تھا اور وہ کلس رہی تھی۔ پھر اس نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اور خوب تیار ہو کر جاتا تھا۔ بقول رجائیت "تیار ہو کر تو یوں جاتا ہے جیسے کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے اشتہار کا ایڈ ماڈل ہو۔" وہ اسکول سے چلا گیا تھا مگر ٹیچرز اب بھی اس کی مثال دیتی تھیں۔ دوسری طرف جب اس کی 9th میں کیمسٹری اور بائیولوجی میں سپلی آئی تو تمام ٹیچرز انگشت بدنداں رہ گئے۔

"تم شہون فریدی کی کزن ہو نا؟" ٹیچر کے استفسار پہ اس نے نخوت سے سر ہلایا۔

"مائی گاڈ شہون کی کزن اور اتنی خراب پروگریس۔" ٹیچر صدمے سے کرسی پہ جم گئی تھیں۔

اسکول اور گھر کے تمام بڑے اس سے پیپر کے متعلق استفسار کر رہے تھے اور شہون فریدی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس پل اسے بہت خوشی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح تو شہون فریدی کی مٹی پلید کر سکی۔ ان کے گھر کے درمیان فقط پھولوں کی باڑھ حائل تھی۔ جبکہ مکین اک دوسرے پہ جان چھڑکتے تھے۔ شہون فریدی اور رجائیت کے درمیان شروع سے ہی بہت فاصلہ رہا تھا وجہ شاید یہی تھی کہ رجائیت اس سے خائف رہتی تھی اور —— اس جینئس بندے کو کوئی اور کام نہیں تھا جو نام ڈبونے والی کزن کی طرف دیکھتا۔ سو دونوں اپنے اپنے محاذ پہ ڈٹے ہوئے تھے۔ نہ شہون فریدی نے اسے نظرانداز کرنا چھوڑا تھا اور نہ ہی رجائیت علی زیدی اسے اہمیت دیتی تھی۔

شہون فریدی ایم بی اے اور ایم سی ایس ڈگری ہولڈر تھا۔ سب کا خیال تھا وہ فیملی بزنس یا پھر بینکنگ کو بطور پروفیشن اپنائے گا مگر اس نے کمپیوٹر کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ نجانے کون کون سے کورسز کر رکھے تھے۔ رجائیت کو کمپیوٹر کے نام سے بھی وحشت ہونے لگی تھی۔ اک چڑ سی ہو گئی تھی اسے کمپیوٹر سے۔ اب وہ کمپیوٹر کو ایسی نظر سے دیکھتی تھی جیسے کچا ہی چبا جائے گی۔ یہ الگ بات کہ ڈیسک ٹاپ پہ شہون فریدی کا چہرہ نظر آ رہا ہوتا تھا۔ اس نے "پی سی کیئر" کی کئی برانچز کھول لی تھیں۔ جہاں کمپیوٹر سکھایا بھی جاتا تھا' کمپیوٹر سیل اور ریپیئر بھی کیے جاتے تھے۔ مختصراً" وہ خوب دولت کما رہا تھا۔ پہلے اتوار کے اتوار رجائیت کو اپنے پورشن میں اس کی شکل نظر آ جاتی تھی مگر اب تو جیسے اسے دیکھے ہوئے سال سے زیادہ ہو گیا تھا۔ وہ شکر ہی ادا کرتی تھی۔ وہ اگر آتا بھی تھا تو صرف

ماما اور پاپا سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کی طرف دیکھنا بھی اسے یاد نہیں رہتا تھا۔ وہ ہر اس جگہ جانے سے احتراز کرتی جہاں اس کی موجودگی کا احتمال بھی ہوتا اور اب ماما نے اس کے سکون پہ جسے "میزائل" دے مارا تھا۔ انٹر اس نے دو سالوں میں پاس کیا تھا۔ ماما تو اسے پڑھانے ہی کے حق میں نہیں تھیں وہ تو پاپا چاہتے تھے کہ وہ کم از کم گریجویشن ہی کر لے۔ فی زمانہ تعلیم کی اہمیت سے وہ بخوبی واقف تھے۔ خیر اس کی نالائقی پہ تو وہ بھی افسوس کرتے تھے۔ ان کا خواب اسے ہائی فائی کوالیفائیڈ دیکھنے کا تھا جسے اس نے بڑی خوب صورتی سے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا اور اب رجائیت علی زیدی صاحبہ اس وقت کو کوس رہی تھیں جب اک سال میں تیسرے ٹیوٹر کو انہوں نے زچ کر کے بھاگ جانے پہ مجبور کر دیا تھا اور اب اس جرم کی پاداش میں شہون فریدی اسے پڑھانے آ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عجیب ہوں میں، عجیب ہے دل
عجیب سا میری ذات کا فسانہ ہے

"رجی! اٹھ جاؤ۔"

"کیا مصیبت ہے؟" کچی نیند سے اٹھنے کے بعد وہ خاصی نامعقول ہو جاتی تھی۔

"مصیبت کی بچی یہ کوئی سونے کا ٹائم ہے؟ عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ شام کو مطلع کیا تھا کہ تمہیں پڑھانے آئے گا۔ وہ اسٹڈی میں کب سے بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ فوراً "بستر چھوڑو۔" ماما اس کے پھیلے کمرے کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

"ہائیں آ گیا وہ؟ کتنی دعائیں کی تھیں کہ بھول جائے، مگر نہ جی اللہ بھی میری نہیں سنتا۔" کسلمندی سے اٹھ کر اس نے باتھ روم کا رخ کیا۔ دو چار چھپاکے منہ پہ مارے۔ دوپٹے سے تھپتھپا کر چہرہ خشک کیا۔ جھاڑ جھنکاڑ بالوں پہ اوپر ہی سے کنگھی مارنے کی کوشش ترک کر کے بالوں کو "پکڑ دھکڑ" کر کیچر میں مقید کیا۔ ریک سے کورس کی کتابیں اٹھائیں اور اسٹڈی کی طرف چل دی۔

بلیک جینز، لیمن شرٹ میں ملبوس شہون فریدی الماریوں میں سجی کتابوں میں سے انگلش لٹریچر کی کتابیں نکال رہا تھا۔ آہٹ پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ملگجے سے پرنٹڈ سوٹ میں کتابیں سینے سے چپکائے دوپٹے کا اک سرا کاندھے پہ ڈالے وہ چلی آ رہی تھی۔ جبکہ دوسرا سرا جھاڑو دینے کا کام بخوبی انجام دے رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" لٹھ مارنے والے انداز میں سلام جھاڑ کر اس نے کتابیں اک دھماکے سے ٹیبل پہ پٹخ دیں۔ اس ادا پہ اس نے خاموشی سے اس کی صورت دیکھی۔

"یہ تمہارا حلیہ کیسا ہو رہا ہے؟" لو جی آتے ہی اعتراض کے شروع، خود تو محترم یوں نک سک سے تیار آئے ہیں جیسے بر دکھوے کے لیے یا تو کہیں تشریف لے جائیں گے یا ہمارے ہی گھر کو رونق بخشیں گے۔ اللہ نہ کرے۔" وہ خود ہی لرز گئی۔

"میں نے تمہارے حلیے کے بارے میں پوچھا ہے؟"

"بیوٹی کانٹیسٹ میں جاؤں گی تو آپ کی طرح تیار ہو جاؤں گی۔" وہ کمال معصومیت سے گویا تھی۔ اس نے لب بھینچ کر کتابوں کی طرف توجہ مبذول کی۔

"کون کون سے سبجیکٹ ہیں تمہارے پاس؟"

"آپشنل میں سوشیالوجی، اکنامکس اور پولیٹکل سائنس ہیں۔" اب کے انسانوں کی طرح جواب دیا۔

"سوشیالوجی تو پھر بھی ایزی سبجیکٹ ہے مگر پولیٹکل سائنس اسپیشلی اکنامکس خاصی ٹف ہے۔ کتنی تیاری ہے تمہاری؟"

"ذرا بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟ سارا سال تم نے آخر کیا کیا ہے؟ آخر پہلے تین ٹیوٹرز نے کچھ تو پڑھایا ہو گا؟ انہوں نے پڑھایا نہیں یا تم نے پڑھانے نہیں دیا؟" وہ اسے گھور رہا تھا۔

"کچھ ملا جلا رجحان تھا۔" ڈھٹائی کی انتہا تھی۔ وہ ایک بار پھر لب بھینچ کر رہ گیا۔

"میں روز ایک گھنٹہ پڑھاؤں گا۔ میرا شیڈول خاصا ٹف ہے۔ اس سے زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا۔ ٹائمنگ کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ میں فری نہیں ہوتا۔ چاچی نے کہا تو میں انہیں انکار نہ کر سکا۔ ابھی بھی میں بیس منٹ سے انتظار کر رہا ہوں۔ بہرحال کل سے یہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں انتظار نہیں کروں گا۔ مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔ میں چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت پڑھانے آجاؤں گا۔"

"کیا رات کے دو بجے بھی پڑھانے آئیں گے؟" اس کی مفصل تقریر پہ وہ جل کے بڑبڑائی۔ اس نے سن لیا۔

"جی ہاں اگر میں سارے دن میں فری نہ ہو سکا تو رات کے دو کیا چار بجے بھی پڑھاؤں گا۔ فیڈ کر لو اپنے خالی چیمبر میں۔" وہ تلملائی تو بہت مگر اس کا لہجہ سخت ہو چکا تھا۔ میتھس سے تو اس کی یوں بھی جان جاتی تھی۔ اب بھی اس نے سب سے پہلے اکنامکس کے ساتھ میتھس کی بک اٹھا کر اسے سوال سمجھانا شروع کیا تو وہ اسٹڈی روم کا جائزہ لیتی رہی یا پھر پیڈ پہ تیزی سے چلتے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو دیکھنے لگی۔ گلابی گلابی تراشے ہوئے ناخن خاصے دلفریب لگ رہے تھے۔

"اب دوسرا تم کرو۔" وہ اس کی بے توجہی نوٹ کر چکا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پریشان نظروں سے وہ پیڈ پہ لکھے سوال کو اور اسے دیکھ رہی تھی۔

رجائیت زیدی کو دونوں گھرانوں میں سب سے چھوٹی اور چہیتی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس کی آمد سے قبل شہوون فریدی دونوں گھرانوں کی محبتیں سمیٹ رہا تھا اور جب اس نے قدم رنجہ فرمایا تو سات سال کے بعد دونوں گھرانوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ماہ وش اس سے بڑی تھی مگر سب سے چھوٹی ہونے کے باعث اس کے حصے میں سب سے زیادہ محبتیں آئی تھیں۔ شعور کی دہلیز پہ قدم دھرنے کے بعد اس نے اپنے لیے بس چہار سو چاہت کے سمندر ہی دیکھے تھے۔ ننھیال میں بھی وہ دل پسند تھی۔ بس اک شہوون فریدی تھا جس نے اسے روز اول سے اگنور کیا ہوا تھا۔ کیوں؟ یہی وہ سرا تھا جو اسے نہیں ملتا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ مگر شہوون نہ بدلا۔ نہ اس نے کبھی اسے اہمیت دی نہ اس نے کبھی فاصلے پاٹنے کی ضرورت محسوس کی۔ بچپن سے لاتعلقی کے مظاہرے کے باوجود وہ شہوون فریدی کی منتظر رہتی تھی۔ وہ جو اسے نظر بھر کے دیکھتا تک نہیں تھا۔ وہ جو بے حد مغرور تھا وہ اسے نہ چاہنے کے باوجود اہمیت دیتی تھی اور وہ بڑی شان سے فیل ہوتی تھی۔ صرف اس لیے کہ اس بات پر وہ بہت غصہ ہوتا تھا وہ مغرور بندہ جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اس کے فیل ہونے پر کھولتا تھا تو اسے خوشی ہوتی تھی۔

بنیادی طور پہ وہ انا پرست لڑکی تھی۔ بہت گہری۔ آج تک کسی کو شک نہیں گزرا تھا کہ وہ اسے چاہتی ہے خود شہوون کو بھی نہیں۔ وہ جب اسے اگنور کرتا تو اسے اپنا وجود بہت ہی غیر اہم لگنے لگتا۔ اسی سبب وہ تائی کے گھر بھی نہیں جاتی تھی۔ اس کی دوری گوارا تھی مگر اپنی ذات کو یوں بے مول ہوتے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"شہوون فریدی" اک بند کتاب کا نام تھا جس کے اندر کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اس کا سرورق بھی اجنبی زبان میں لکھا تھا۔ شارپ مائنڈ' معاملہ فہم' کچھ کر دکھانے کی لگن اس کی خوبیوں میں اضافے کا باعث تھی۔ حلقۂ احباب میں جینئس' پراؤڈ اور تخلیقی دماغ کا مالک جیسے ٹائٹل سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنی فیملی کا غرور تھا وہ ہر اک کا ہمدرد و ہمراز تھا' علاوہ وجاہت علی زیدی کے۔ شروع سے ہی ان کے درمیان ان دیکھے فاصلے کی خلیج نے آج انہیں بہت عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

تا۔" وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ نہایت بگڑے موڈ کے ساتھ کتابیں لیے اسٹڈی میں داخل ہوئی۔ وہ سیل فون کان سے لگائے کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسپیکر آن تھا۔ ان ڈور ہوتا تھا تو اسپیکر آن کر کے ہی بات کرتا تھا۔ دوسری طرف کی آواز اسے اپنے ساتھ در و دیوار کو سنانے کی بھی عادت تھی۔ غالب کی گونجتی آواز بے حد بھلی لگتی تھی۔ اسے اس کی یہ عادت گراں گزرتی تھی اب بھی لب بھینچ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"عفیرا کو نہیں جانتے" کمال کے آدمی ہو۔ وہ امیر باپ کی اکلوتی اولاد۔ جس نے تمہارے قریب رہنے کے بہانے تمہارے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا اور تمہیں متوجہ کرنے کے لیے سو گر آزماتی ہے۔" دوسری طرف سے خاصی تیز آواز میں رشک و حسد کی کیفیت نمایاں تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی گفتگو سننے لگی۔

"پہچان گیا۔ اتنا بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیٹ واک کا نمونہ کہہ دینا بھی کافی تھا۔ کچھ لوگوں کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ جسے اک نظر دیکھ لیں گے وہ اس کے اسیر ہو جائیں گے۔ عفیرا کا شمار بھی انہیں خوش فہم لوگوں میں ہوتا ہے۔"

"ایسا تو مت کہو، پاگل ہے تمہارے پیچھے، حسین ہے، دولت مند ہے۔ انگریزی فرفر بولتی ہے۔" دوسری طرف سے سمجھانے کی کوشش انجام دی گئی۔

"سو واٹ؟ میری لائف پارٹنر کی کوالٹی صرف گڈ لکنگ ہی نہیں ہو گی۔ وہ ہائی لی کوالیفائیڈ ہو گی۔ انگریزی فرفر بولنا کوئی کمال نہیں۔ اس کا آئی کیو اور جنرل نالج وسیع ہو۔ اسے خبر ہو کہ نائن الیون کے بعد امریکہ کی معیشت پہ کیا اثر پڑا؟ عراق وار کی وجہ کیمیاوی ہتھیار نہیں بلکہ یہ جنگ تیل کے لیے تھی۔ اسے خبر ہو کہ اسپائس گرلز میل اور فی میل میں کس قدر پاپولر رہ چکی ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی پہلی سی ڈی ۱۹۸۶ء برطانوی سنگر Dire Straits کے البم Brothers in Arms کی دنیا بھر میں اک ملین سے زائد سی ڈیز فروخت ہوئیں جو اک ریکارڈ ہے۔ ایک سال میں سب سے زیادہ گریمی ایوارڈز حاصل کرنے والا سنگر مائیکل جیکسن ہے۔ اسکوائش کا نیا عالمی چیمپئن امرو شبانہ مصر کا پہلا کھلاڑی ہے جو یہ اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ عہد حاضر کا بہترین گولفر "ٹائیگر ووڈز" ہے۔ برائن لارا نے ٹیسٹ سیریز میں چار سو رنز اسکور کر کے ریکارڈ قائم کیا ہے۔" وہ بولے جا رہا تھا اور رجائیت علی زیدی کو چکر آ رہے تھے۔

"یہ کہو نا، چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا ہو۔" وہ دل ہی دل میں دانت پیس رہی تھی۔ اب گفتگو کا رخ مڑ چکا تھا۔

"میرے ڈیسک ٹاپ پہ میری ہی تصویر ہے۔ اپنی تصویر ہٹاؤں گا بشرطیکہ کوئی مجھ پہ چھا جانے والی ہستی ملے۔ میں بہت پوزیسو بندہ ہوں۔"

"اس شخص کی خود پرستی کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟"

"پھر بات کرتے ہیں۔" سیل فون بند کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے دماغ کی چولیں تو ابھی تک مل رہی تھیں۔ وہ خاک پڑھ پاتی۔

✿ ✿ ✿

امتحان کی تیاری کے لیے چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ گھر میں اکتاہٹ ہونے لگی تو گاڑی لے کر نکل گئی۔ ڈھیر ساری شاپنگ کر کے مخصوص سی ڈی شاپ سے سی ڈیز لیں کے ایف سی کے سامنے سے گزرنا مشکل لگا تو پاؤں بے ساختہ بریک پہ جا پڑے۔

"ایکسکیوزمی میم، سے آئے سٹ ہیئر؟" پزا کا پیس منہ میں ڈالا ہی تھا جب کافی دیر سے سائیڈ رو میں بیٹھے ہینڈسم شخص نے آکر استفسار کیا۔ سوفٹ ڈرنک کا سپ لے کر اس نے نووارد کو اک نظر دیکھا۔ وہ نظر انداز کر دینے والا شخص نہیں تھا۔ غالباً اپنی شخصیت کی اس خوبی سے آشنا بھی تھا جب ہی کانفیڈنٹ نظر آ رہا تھا۔

"شرم کرو' پورے سات سال بڑا ہے تم سے' کیسے تو' تڑاخ کر رہی ہو۔"

"تمہیں تو برا لگے گا ہی' تمہارا چہیتا فرینڈ جو ہے۔"

"وہ تو ہے۔ یہ بتاؤ کیسا پڑھا رہا ہے؟"

"معلوم نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"میرا پڑھنے کا موڈ ہو جب ناں۔ وہ فل والیم میں راہنز' مارشل پہ تقریر کرتا رہتا ہے اور میں منہ' کان بند کیے سوچتی ہوں' یہ آخر کب چپ ہو گا۔" ماہ وش ہنس پڑی۔

"تہمت بری ہو تم۔ وہ بچارا مصروف بندہ بمشکل وقت نکال کر تمہیں پڑھانے آ رہا ہے اور تم سیریس ہی نہیں لے رہی ہو اسے۔ ابھی کرتی ہوں اسے بھی فون۔" اس نے دھمکی دی۔

"کر دو۔ اسی بہانے میری جان تو چھوٹے گی۔ پڑھاتا ہے تو ایسا لگتا ہے میری پشتوں پہ احسان کر رہا ہے۔ اللہ میاں نے ذرا فرصت سے کیا بنا دیا اس کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ نیم اور کریلے کی مثل اسی پہ فٹ بیٹھتی ہے۔" پھر ماما نے اس سے ریسیور لے لیا تھا۔ ہال سے تائی جی کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر ہال کی طرف بڑھ گئی۔ ماما اور تائی جی گفت و شنید کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم تائی جی۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟ ہوتی کہاں ہو تم جو دکھائی نہیں دیتیں؟ فقط ایک باڑ کا فاصلہ ہے مگر کبھی ملنے بھی نہیں آتیں۔" تائی جی نے محبت سے شکوہ کیا۔

"ملاقات تو ہو ہی جاتی ہے تائی جی! کیا فرق پڑتا ہے میں آؤں یا آپ۔" اس کے لب مسکراہٹ سے منور ہو گئے۔

"تو میں نہ آؤں؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"یہ غضب مت کیجیے گا' ورنہ ماما میری برائی کس سے کریں گی۔" اس نے تائی جی کے شانے پہ سر رکھ کر دوسرا شانہ تھام لیا۔ ماما خفگی سے گھور رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" زندگی سے بھرپور آواز پر بھی وہ سیدھی نہ ہوئی۔

"آپ یہاں ہیں ماما؟ مجھے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔"

"کھانا تو تیار ہے' میز لگواؤں شیری؟" ماما' تائی سے پہلے بول پڑیں۔ تائی جی کے ساتھ چپکی رجائیت علی زیدی پہ اچٹتی نگاہ ڈال کر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے کھانا کھا لیا ہے چاچی۔"

"ٹھیک سے کھایا بھی ہے یا نہیں؟ تمہارا تو کھانے کا کوئی شیڈول ہی نہیں ہے۔" تائی جی کو فکر ہوئی۔

"کھانا سکون سے کھانے کے لیے تو عمر پڑی ہے۔ جبکہ کریئر بنانے کی یہی عمر ہوتی ہے۔" رجائیت نے ترچھی نظروں سے تازہ شیو کی نیلاہٹیں لیے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں اتنا کھڑاک پھیلانے کو کہا کس نے تھا۔ ناحق اپنی جان مار رہے ہو۔" تائی جی کو اس کی مصروفیت سے چڑ تھی۔ مجال ہے جو وہ دو گھڑی آرام سے بیٹھ جائے۔ ماں تھیں سو بیٹے کے لیے متفکر رہتی تھیں۔

"پیاری ماں! یہ آپ کہہ رہی ہیں نا' کامپٹیشن اتنا ٹف ہے کہ خود کو منوانے کو اسٹرگل کرنی پڑتی ہے۔ یہاں کوئی طشت میں عزت و شہرت سجا کر پیش نہیں کرتا۔ خود کو منوانا پڑتا ہے۔ لوگ اپنے کیریئر کے لیے سیریس نہیں ہوتے اور واویلا کرتے ہیں کہ ہمیں صلہ نہیں ملتا۔ ابھی محنت کر رہا ہوں۔ چند سالوں بعد اسٹیبلش ہو جاؤں گا تو کل کو پچھتانے کی نوبت نہیں آئے گی کہ کاش میں نے کچھ کر لیا ہوتا۔"

"سچ ہے پھر تو زندگی رخ بدلتی ہے۔ شادی کی ذمہ داری بیڑیاں بن جاتی ہیں' تب کوئی کیا کر سکتا ہے؟" ماما اس کے افکار سے از حد متاثر نظر آ رہی تھیں۔ انہیں بے حد خوشی ہوئی تھی اس کے خیالات سن کر' سو بے ساختہ سراہا۔ اس گھڑی تائی جی کو بھی بیٹے پہ فخر محسوس ہوا کہ ان کا بیٹا دوسروں سے منفرد ہے۔ وہ اس وقت اک عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔

"میں اسٹڈی میں ہوں۔ رجائیت! کتابیں لے

تا۔" وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ نہایت بگڑے موڈ کے ساتھ کتابیں لیے اسٹڈی میں داخل ہوئی۔ وہ سیل فون کان سے لگائے کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسپیکر آن تھا۔ اِن ڈور ہوتا تھا تو اسپیکر آن کر کے ہی بات کرتا تھا۔ دوسری طرف کی آواز اسے اپنے ساتھ در و دیوار کو سنانے کی بھی عادت تھی۔ غالب کی گونجتی آواز بے حد بھلی لگتی تھی۔ اسے اس کی یہ عادت گراں گزرتی تھی اب بھی لب بھنچ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"عفیرا کو نہیں جانتے؟ کمال کے آدمی ہو۔ وہ امیر باپ کی اکلوتی اولاد۔ جس نے تمہارے قریب رہنے کے بہانے تمہارے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا اور تمہیں متوجہ کرنے کے لیے سوگر آزماتی ہے۔" دوسری طرف سے خاصی تیز آواز میں رشک و حسد کی کیفیت نمایاں تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی گفتگو سننے لگی۔

"پہچان گیا۔ اتنا بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیٹ واک کا نمونہ کہہ دینا بھی کافی تھا۔ کچھ لوگوں کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ جسے اک نظر دیکھ لیں گے وہ اس کے اسیر ہو جائیں گے۔ عفیرا کا شمار بھی انہیں خوش فہم لوگوں میں ہوتا ہے۔"

"ایسا تو مت کہو، پاگل ہے تمہارے پیچھے، حسین ہے، دولت مند ہے۔ انگریزی فر فر بولتی ہے۔" دوسری طرف سے سمجھانے کی کوشش انجام دی گئی۔

"سو وہاٹ؟ میری لائف پارٹنر کی کوالٹی صرف گڈ لکنگ ہی نہیں ہوگی۔ وہ ہائی لی کوالیفائیڈ ہوگی۔ انگریزی فر فر بولنا کوئی کمال نہیں۔ اس کا آئی کیو اور جنرل نالج وسیع ہو۔ اسے خبر ہو کہ نائن الیون کے بعد امریکہ کی معیشت پہ کیا اثر پڑا؟ عراق وار کی وجہ کیمیاوی ہتھیار نہیں بلکہ یہ جنگ تیل کے لیے تھی۔ اسے خبر ہو کہ اسپائس گرلز میل اور بی میل میں کس قدر پاپولر رہ چکی ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی پہلی سی ڈی ۱۹۸۶ء برطانوی سنگر Dire Straits کے البم Brothers in Arms کی دنیا بھر میں اک ملین سے زائد سی ڈیز فروخت ہوئیں جو اک ریکارڈ ہے۔ ایک سال میں سب سے زیادہ گریمی ایوارڈز حاصل کرنے والا سنگر مائیکل جیکسن ہے۔ اسکواش کا نیا عالمی چیمپئن امرو شبانہ مصر کا پہلا کھلاڑی ہے جو یہ اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ عہد حاضر کا بہترین گولفر "ٹائیگر ووڈز" ہے۔ برائن لارا نے ٹیسٹ سیریز میں چار سو رنز اسکور کر کے ریکارڈ قائم کیا ہے۔" وہ بولے جا رہا تھا اور رجائیت علی زیدی کو چکر آ رہے تھے۔

"یہ کہو نا، چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا ہو۔" وہ دل ہی دل میں دانت پیس رہی تھی۔ اب گفتگو کا رخ مڑ چکا تھا۔

"میرے ڈیسک ٹاپ پہ میری ہی تصویر ہے۔ اپنی تصویر ہٹا لوں گا بشرطیکہ کوئی مجھ پہ چھا جانے والی ہستی ملے۔ میں بہت پوزیسو بندہ ہوں۔"

"اس شخص کی خود پرستی کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟"

"پھر بات کرتے ہیں۔" سیل فون بند کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے دماغ کی چولیں تو ابھی تک ہل رہی تھیں۔ وہ خاک پڑھ پاتی۔

☼ ☼ ☼

امتحان کی تیاری کے لیے چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ گھر میں اکتاہٹ ہونے لگی تو گاڑی لے کر نکل گئی۔ ڈھیر ساری شاپنگ کر کے مخصوص سی ڈی شاپ سے سی ڈیز لیں کے ایف سی کے سامنے سے گزرنا مشکل لگا تو پاؤں بے ساختہ بریک پہ جا پڑے۔

"ایکسکیوزمی میم، مے آئی سٹ ہیئر؟" پزا کا پیس منہ میں ڈالا ہی تھا جب کافی دیر سے سائیڈ رو میں بیٹھے ہینڈسم شخص نے آ کر استفسار کیا۔ سوفٹ ڈرنک کا سپ لے کر اس نے نو وارد کو اک نظر دیکھا۔ وہ نظر انداز کر دینے والا شخص نہیں تھا۔ غالباً اپنی شخصیت کی اس خوبی سے آشنا بھی تھا جب ہی کانفیڈنٹ نظر آ رہا تھا۔

"نہیں۔" شان بے نیازی سے جواب دے کر وہ کوک کا سپ لینے لگی۔ نووارد کو غالباً اس جواب کی توقع نہیں تھی تب ہی اک پل کو خموش کھڑا رہا۔

"کیوں؟"

"میری مرضی۔" اس کا انداز ہنوز بے نیازی لیے ہوئے تھا۔

"میں آپ سے دوستی کا خواہشمند ہوں۔" اس نے ہمت نہ ہاری۔

"سو وہاٹ؟"

"اپنا کانٹیکٹ نمبر دیں گی؟" دوسری طرف نگاہیں شوق سے لبریز تھیں۔

"نہیں۔"

"یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ آپ سوچ لیجیے گا۔ لمحۂ حیات میں کبھی بھی میرا خیال آئے، مجھے کال کر لیجیے گا۔ میں خود کو خوش نصیب سمجھوں گا۔" لائیٹ پنک کارڈ پہ بلیک حروف جگمگا رہے تھے۔ انگلیوں میں دبے کارڈ کو اس نے اچٹتی نگاہ کے قابل بھی نہ جانا۔

"آپ کی خواہش فضول ہے مسٹر"

"ازغان خان۔" اس نے نام بتایا۔

"دیکھیں۔ لوگ دیکھ رہے ہیں ہماری طرف۔ میرا امیج خراب ہو رہا ہے کہ میں فلرٹ کر رہا ہوں۔ آپ ٹرسٹ کر سکتی ہیں مجھ پر۔ پلیز میم جسٹ ٹیک مائے کارڈ۔" آخر میں لہجہ التجائیہ ہو گیا۔

"سوری ازغان خان! آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

"ہو گئی دوستی؟" اس کے دوست نے پیچھے سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ جا چکی تھی۔ ازغان خان تھکے ہارے انداز میں کرسی پہ گر سا گیا۔ اس کی اداس نظریں خالی کرسی پہ جمی تھیں جس پہ کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی تھی۔ ماحول نے جیسے رنگینی کھو دی تھی۔

"اسے پہلی بار یہاں اسی جگہ دیکھا تھا۔ تب سے آج تک میں اسی کے لیے یہاں آتا تھا۔ مگر آج سارا جنون بے کار گیا۔ واصف! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اک پل میں زندگی گل کھلائے اور اگلے ہی پل خزاں کی ہوا اس گل کی پتیاں بکھیر دے؟ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟" ازغان خان تاسف سے لب کچل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

شاپنگ بیگز صوفے پہ پھینک کر وہ بیڈ پر گر گئی۔ شاپنگ نے خاصا تھکا ڈالا تھا۔ آخر میں اسے ازغان خان یاد آ گیا۔

"سوری ازغان خان! تمہیں مایوس کرنا میری مجبوری تھی۔ جو خود محبت کا ہم سفر ہو وہ دوسرے مسافر کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔" سر جھٹک کر اس نے سوچ کا رخ موڑ دیا۔

"شیری پڑھانے آیا تھا۔ تم نہ ملیں تو میسج چھوڑ گیا، تمہیں بتا دوں وہ گھر پہ ہے۔" دستک دے کر ماما چلی آئی تھیں۔ وہ یونہی پڑی رہی۔ ماما سخت سُست سنانے لگیں تو ناچار اسے کتابیں لے کر اٹھنا پڑا۔ لان میں پھولوں کی باڑ کے بیچ بوگن ویلیا کی کٹنگ خوب صورتی سے کر کے اسے گول دروازے کی شکل دی گئی تھی۔ گھر کے لوگ آنے جانے کے لیے اسی دروازے کو استعمال کرتے تھے۔ گھر سنسان پڑا تھا۔ گھر میں لوگ ہی کتنے تھے۔ تاؤ جی کے تین بیٹے تھے اور دو بیٹیاں۔ سمیعہ اور ناعمہ اپیا شادی کے بعد الگ الگ شہروں میں جا بسی تھیں۔ ناصح اور عبید بھائی اسٹیٹس میں ہوتے تھے۔ شہرون کا نمبر آخری تھا۔ تاؤ جی کو ڈر تھا کہ بڑے بیٹوں کی طرح ایک دن شہرون بھی انہیں چھوڑ کر دیارِ غیر سدھار جائے گا۔ مگر وہ بڑا محب وطن تھا۔ بھائیوں نے اسے باہر سیٹل کر دینے کی آفر کی تھی مگر اس نے صاف کہہ دیا۔

"اسٹیٹس میں پڑھے لکھوں کی کمی نہیں جبکہ میرے ملک کو مجھ جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ میرے وہاں سیٹل نہ ہونے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میرے ملک کے معماروں کا قرض مجھ پہ چڑھ جائے گا۔ میری پہچان میرا ملک ہے اور میں اس ملک کو

digestlibrary.com

ترقی یافتہ ملکوں کی فہرست میں کھڑا دیکھنے کا طالب ہوں۔ اس ضمن میں مجھ سے جو ہو سکا وہ کروں گا۔"

"یہاں آ جاؤ ربی۔" آواز سن کر وہ کچن کی دہلیز پہ چلا آیا۔

"آپ کچن میں کیا کر رہے ہیں؟" وہ تفصیلی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ بلیو جینز پہ وہائٹ شرٹ پہنے ہاتھوں میں چھری تھامے کھڑا تھا۔

"ماما' پپا کسی دعوت میں گئے ہیں۔ کک کو چھٹی چاہیے تھی۔ غضب کی بھوک لگی تو سوچا چلو کچن کو رونق بخشی جائے۔" کتنا انوکھا تھا اس کا یہ روپ۔ وہ رجائیت علی زیدی سے یوں بات کر رہا تھا جیسے ان کے درمیان کبھی سرد مہری کی فضا نہ رہی ہو۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

"تو ادھر ہی کھا لیتے۔" اس نے سنبھل کر اپنے پورشن کی طرف اشارہ کیا۔

"فی الحال تو اپنے ہاتھ کا آملیٹ کھانے کو جی چاہ رہا تھا۔ سو طبع آزمائی کر رہا ہوں۔ تم بھی کھا کر دیکھنا' میں کتنا زبردست آملیٹ بناتا ہوں۔ ذرا وہ پیالہ پکڑاؤ۔"

اس نے خموشی سے پیالہ پکڑا دیا۔ پیاز اور ہری مرچیں کاٹ کر اسے پیالے میں ڈالیں پھر لال لال ٹماٹروں کو کاٹنے لگا۔

"ایگزام میں کتنا کم وقت ہے اور تم نجانے کہاں کہاں پھر رہی ہو۔ پیپر دینے کا ارادہ بھی ہے یا نہیں؟" اس ذکر سے اس کا منہ بن گیا۔ جو اس کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔

"لڑکی! خدارا کچھ پڑھ لو۔ کیوں میری مٹی پلید کرتی ہو؟ جب لوگوں کو خبر ہو گی کہ شہون فریدی پوزیشنز ہولڈر کی کزن فیل ہوتے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تو کتنی انسلٹ ہو گی میری۔"

"پڑھانے کا موڈ ہے یا میں جاؤں؟" سوال نظر انداز کر دینے پہ اس نے اس پہ اک نظر ڈالی۔ وہ پھر بات بدل گیا۔

"کتابیں سائیڈ پہ رکھ کر ذرا فریج میں جھانکو کہ وہاں کون کون سے فروٹ پڑے ہیں۔ خالی پیٹ پڑھایا نہ جائے گا مجھ سے۔" وہ بے حد فرینک ہو کر بول رہا تھا۔ خوش گمانی کے دیے دھڑا دھڑ جل اٹھے۔ آگے بڑھ کر سائیڈ پہ رکھے فریج کا دروازہ کھول کر جائزہ لینے لگی۔

"سیب اور کیلے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"اوکے یہاں لے آؤ دونوں کو۔" وہ انڈے توڑ کر پیالہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔ فروٹ کی باسکٹ لا کر اس نے شیلف پہ رکھ دی۔

"پہلے ان فروٹس کو اچھی طرح دھو لو پھر سیب کی قاشیں بنا کر انہیں چھوٹے چھوٹے پیسز میں کٹ لو۔" آملیٹ میں نمک شامل کرتے اس نے اسے کام بتایا۔ رجائیت کو بھی دلچسپی ہو گئی تھی۔ اتنے جینئس بندے کا یہ روپ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فرائنگ پین کو کوکنگ رینج پہ رکھ کر اس نے برنر جلایا۔ پھر تیل ایڈ کر کے آملیٹ کا آمیزہ پھینٹنے لگا۔

"سیب کٹ گئے۔ اب کیلوں کا کیا کروں؟" سین خاصا دلچسپ ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' وہ ماہر کک ہے اور وہ اس کی اسسٹنٹ۔

"ہوں کیلوں کو سلائس کی شکل میں کاٹ لو۔ تیل گرم ہو گیا تھا۔ اس نے آملیٹ کا آدھا آمیزہ فرائی پین میں ڈال دیا۔ آملیٹ دونوں اطراف سے براؤن ہو گیا تو اسے ٹرے میں نکال لیا۔

"فریج سے فریش کریم نکال لاؤ اور وہ پائن ایپل کا ٹن بھی نکال لانا۔" فرائنگ پین میں تیل ڈالتے گویا تھا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔

"پائن ایپل کے پیسز نکال کر اسی پیالہ میں ڈال دو جس میں کیلے اور سیب ہیں پھر فریش کریم ڈال کر فروٹ کو مکس کر لو۔ یہ میری فیورٹ سویٹ ڈش ہے۔ جو نہ صرف جلدی تیار ہو جاتی ہے بلکہ خاصی ٹیسٹی بھی ہوتی ہے۔" رجائیت اس کی ہدایات پر عمل کرتی رہی۔ دوسرا آملیٹ بھی تیاری کے مراحل سے گزر چکا تھا۔

"بیج ٹیسٹی۔" اس نے چمچ بھر کر فروٹ اور فریش کریم منہ میں ڈالی۔

"کھا کر دیکھو۔" اس نے چمچ تھام لیا۔

"کیسا ہے؟" وہ چہرے پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔
"کون؟"
"میٹھا اور کون۔"
"اچھا ہے۔"
"گڈ! میں میز لگا رہا ہوں۔ تم چائے نکال لو' کب سے دم پہ پڑی ہے۔ کہیں بے چاری کا دم ہی نہ نکل جائے۔" کھانے' پینے سے فارغ ہو کر وہ اسے پڑھا رہا تھا۔ وہ پوری دلجمعی سے پڑھ رہی تھی۔ پل بھر میں اس نے پاس ہو جانے کا عہد کیا تھا۔

تائی جی کے بلاوے پر وہ ان کے پاس آبیٹھی تھی۔ کچن والے واقعہ کے بعد سے اس کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی۔ فون کی بیل کافی دیر سے بج رہی تھی۔ تائی جی نے اسے ریسیو کرنے کو کہا۔ اس نے لاؤنج میں رکھا فون سیٹ اٹھالیا۔ شہرون فریدی نے اپنے کمرے سے ایکس ٹینشن اٹھالیا تھا۔ دوسری طرف ماہ وش تھی۔ ماہ وش گھر فون کرتی تو تائی جی' تایا جی اور شہرون کو بھی فون کرتی تھی کیونکہ اس کا زیادہ وقت ان کے پورشن میں گزرتا تھا۔ وہ ان کی باتیں سننا نہیں چاہتی تھی مگر شہرون کی چہکتی آواز نے اس سے یہ غیر اخلاقی حرکت کروادی۔
"شکر کرو۔ دیر سے ہی سہی مجھے ہوش تو آیا۔ ورنہ نجانے کیا کچھ کھو بیٹھتا۔ خود کو اسٹیبلش کرتا اپنی جگہ لیکن اب میں نے اسے بھی ٹائم دینا شروع کردیا ہے۔ اگر حصول دولت میں اپنی زندگی کے قیمتی شخص کو کھودوں تو تاعمر پچھتاوا رہے گا۔ تم یہ سمجھو جیسے میں نیند سے جاگ گیا اور شکر ادا کر رہا ہوں۔ قصور تو میرا بھی نہیں ہے۔ آنکھوں ہی کو اس کی خوب صورتی دیر سے نظر آئی۔ بس سمجھ لو جوگی ہو گیا تمہارا شہرون فریدی۔ مجھ جیسے جینئس بندے کا حال شاعروں جیسا ہو گیا ہے۔ تم نے تو دیکھا ہے اسے۔ پچھلے دنوں اس کی تصویر ای میل کی تھی میں نے۔ کیسی لگی میری چوائس؟ میں نہ کہتا تھا میری لائف پارٹنر منفرد ہو گی۔

سمجھ لو میرا انتظار ختم ہو گیا۔ ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں چھپا رستم ہوں۔
اس کے لیے تو صرف یہ کہہ سکتا ہوں۔

اس کی باتوں میں پیار کی خوشبو ہے
اس کے لہجے میں دلربائی ہے
جس کی آنکھوں میں خواب ہیں میرے
نیند اس نے میری چرالی ہے

وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔
"اس نے تمہاری محبت کا اقرار کرلیا۔"
"اس کی محبت نے تو مجھے گھٹنے ٹیکنے پہ مجبور کردیا۔ تم اسے میری نظر سے دیکھو نا۔"
"ابھی میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔" اس نے چڑایا۔
"بہت بدتمیز ہو گئی ہو تم۔ داؤد کہاں ہے؟ کتنا الو بنا رہی ہو اس بے چارے کا۔ کچھ بولتا نہیں تو تم یوں اس کے پیسے اڑاؤ گی۔ فون دو داؤد کو۔" پھر وہ داؤد سے بات کر رہا تھا۔ رجائیت علی زیدی نے چپکے سے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔
"عفیو! پاگل ہے تمہارے پیچھے۔" اس روز کچن میں سنے گئے اس جملے کی طرف بار بار اس کا دھیان جاتا رہا۔
"اک عرصہ سے میری آنکھوں میں تمہارے خواب ہیں پھر میں کیوں نہ چرا سکی ۔۔ تمہاری نیند؟ جب ہر آنکھ کے خواب تعبیر نہیں پاتے تو آنکھیں خواب دیکھنے کی گستاخی کرتی کیوں ہیں؟" اس نے یاسیت سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

"رجی! کیا ہو رہا ہے؟" اس کی اکلوتی دوست شزا آن لائن تھی۔
"بور ہو رہی ہوں۔"
"ویری گڈ۔ ایسا کرو' تیار ہو کر میرے گھر آجاؤ۔"

digestlibrary.com

"فار واٹ؟"

"پی اے ایف میوزیم میں جیولری کی زبردست نمائش جاری ہے۔ اور مشہور گلوکار پرفارم کرنے آرہے ہیں۔" شنزہ ایسے فنکشنز مس نہیں کرتی تھی۔ رجائیت اس کا بھرپور ساتھ دیتی تھی۔ سو اب بھی فوراً" تیار ہو گئی۔

"اوکے میں اک گھنٹے کے اندر تمہیں پک کرنے آرہی ہوں۔" کارڈلیس بند کر کے اس نے وارڈروب کھول لیا۔ تھوڑی دیر بعد بلیک اسٹریچیبل جینز اور بلیک کرنکل کی شرٹ' دوپٹے میں نک سک سے تیار تھی۔ لمبے بالوں کو برش کر کے کھلا چھوڑ دیا۔ Image Blue کے بے دریغ چھڑکاؤ نے خوشبوؤں کے سمندر میں لا کھڑا کیا سینٹر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ ماما کے کمرے پہ دستک دے رہی تھی۔

"ماما میں اور شنزا پی اے ایف میوزیم جا رہے ہیں' جیولری کی نمائش لگی ہے۔" ماما نے جلدی آنے کی تاکید کی۔ بلیک آلٹو کا رخ شنزہ کے گھر کی طرف تھا۔ باہر ہی سے ہارن دینے پر شنزا اچھلی آئی۔

"یو آر لکنگ ویری اٹریکٹیو۔" شنزا نے تفصیلی نظر ڈالتے ہوئے سراہا۔

"وہ تو ہے۔" شوخی سے جواب دیا۔ شنزہ مسکراتے ہوئے گیسٹ سلیکٹ کر رہی تھی۔ ایگزیبیشن میں جیولری کے ڈیزائن اور بناوٹ میں بہت خوب صورتی تھی۔ شنزہ نے زمرد کا اک سیٹ خریدا تھا۔ رجائیت علی زیدی نے پرل اور سلیمانی پتھر کا دیدہ زیب سیٹ خریدا تھا۔

"رجی! وہ نیلے پتھر کا نفیس لاکٹ دیکھ رہی تھی جب شنزا نے اسے پکڑ کر تقریباً" جھنجھوڑ دیا۔

"کیا ہوا؟"

"ادھر دیکھو۔" اس نے لوگوں کے جم غفیر میں نظر ڈالی مگر اسے "قابل دید" کوئی چیز نظر نہ آئی۔

"کیا دیکھوں؟" وہ جھنجھلائی۔

"سٹوپڈ! وہ گرین شرٹ والی طرحدار حسینہ کو دیکھ رہی ہو جس نے گرین کلر کے لینس لگا رکھے ہیں۔"

شنزہ کی نشاندہی پہ دیکھنا پڑا۔ بے حد فٹنگ کی مردانہ شرٹ میں دوپٹے سے بے نیاز اک لڑکی کھڑی تھی۔

"تمہیں اس کی آنکھوں کا رنگ بھی پتہ لگ گیا اتنی دور سے؟" شنزا کی ایکسائٹمنٹ کو تحیر سے دیکھ رہی تھی۔

"اپنی آنکھوں کو خوردبین میں یونہی تو نہیں کہتی۔ تمہیں تو آنکھوں کی جگہ اللہ نے بٹن دے رکھے ہیں۔ اسی گرین شرٹ والی لڑکی کے ساتھ کھڑے ہینڈسم سے بندے کو دیکھو' جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے موصوف شہون فریدی ہیں اور تمہارے کزن کے عہدے پہ فائز ہیں۔" شنزا خاصے جلے بھنے لہجے میں کہہ رہی تھی بے حد چونک کر اس نے اس طرف دوبارہ دیکھا۔ بلیک جینز' شرٹ پہ مسٹرڈ جیکٹ پہنے دلفریبی سے مسکراتے وہ واقعی شہون فریدی تھا۔ اس نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

"غالباً" یہی وہ پٹاخہ ہے جو شہون کے پیچھے پڑی ہے۔" شنزا کے کمنٹ پہ اس نے نظریں جیولری پہ مرکوز کر لیں۔ یہ بھی نہ پوچھا کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی۔

"تم نے شہون کا کلفٹن کیمپس دیکھا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"شہون کے تمام ہی کیمپس شاندار ہیں۔ خصوصاً" کلفٹن کیمپس کا سیٹ اپ تو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ پچھلے دنوں میری کزن کو وہاں ایڈمیشن لینا تھا۔ تب شہون سے ملاقات ہوئی۔ وہ جانتا ہے کہ میں تمہاری اکلوتی فرینڈ ہوں۔ اسی بدولت اس نے کرن کو فیس میں خاصی رعایت دی۔ کرن نے بتایا تھا مجھے کہ عفیرا نام ہے اس کل ارب پتی باپ کی بیٹی ہے۔ شہون کو امپریس کرنے کے لیے سو جتن کرتی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی اتنا اچھا' ویل اسمارٹ کزن یوں کسی کو پٹاتے دیکھ رہی ہو؟" شنزا کی معلومات وسیع تھیں۔ آخر میں لہجہ غیرت دلانے والا تھا۔ جس شخص کا غم غلط کرنے کو یہاں آئی تھی وہ اس کا سکون درہم برہم کرنے کے لیے پہلے سے یہاں بھی موجود تھا۔

"جب کوئی خود پٹنے کو تیار ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟" وہ ہنوز جیولری پہ نظریں جمائے کھڑی تھی۔ اس نے بے ساختہ گھورا۔

"کیا ہے اس عفیرا میں؟ تم اس سے لاکھ درجے بہتر ہو۔"

"سب کو اچھا لگنے والا شخص ضروری نہیں مجھے بھی اچھا لگے۔ وہ عفیرا کی پسند ہو سکتا ہے، میری نہیں۔" اپنی انا کو بچانے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کو جھوٹ بول کر مطمئن کیا جا سکتا ہے مگر اندر تو گھمسان کا رن پڑ جاتا ہے۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ کیا برائی ہے شہون میں۔ میرا کزن ہوتا تو کسی کی طرف دیکھنے نہ دیتی۔" وہ کیسے بتاتی کہ اس کی سب سے بڑی برائی یہی ہے کہ وہ اسے نظر نہیں آتی۔

شزا کا شہون کی طرف مسلسل دیکھنا رنگ لے ہی آیا۔ اس کی نظر اس پہ پڑ گئی۔

"موڈ ٹھیک کرو، شہون ادھر ہی آ رہا ہے۔" شزا آہستگی سے گویا ہوئی۔ اس نے کھسک جانا چاہا مگر وہ اس کی کلائی تھام چکی تھی۔

"آپ یہاں؟" استفسار ہوا۔

"اکیلی نہیں ہوں۔ آپ کی کزن موصوفہ بھی ساتھ ہیں۔" شزا نے اس کی طرف توجہ دلائی۔

"خود کو ریفریش کرنے کو ایسی ایکٹی ویٹی کبھی کبھی جائز ہے۔ کچھ خریدا؟" رجائیت کے ہاتھ سے لٹکا شوز کا نازک سا لاکٹ اٹھاتے ہوئے وہ گویا تھا۔

"ہوں، میں نے زمرد اور رجی نے پرل کا سیٹ لیا ہے۔"

"ایکسیلینٹ۔ دونوں ہی شاندار ہیں۔ یہ بھی بہت خوب صورت ہے، خریدو گی؟" شوکیس میں موجود لاکٹ کو دیکھتے وہ ہاتھ باندھے ارد گرد کا جائزہ لیتی بظاہر بے نیازی پوز کرتی رجائیت علی زیدی سے استفسار کر رہا تھا۔

"مجھے پسند نہیں۔" اس نے سپاٹ نظروں سے نفی میں سر ہلایا۔

"اتنی دیر سے تو تم اسے دیکھ رہی تھیں۔" شزا نے جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی۔

"ضروری تو نہیں جسے بہت دیر دیکھا جائے وہ ہمارا ہو جائے۔" لہجہ میں حسرت سی پنہاں تھی۔

"تمہارا فلسفہ اپنی سمجھ سے باہر ہے۔" شزا نے ہاتھ جھاڑے۔ شہون فریدی نے اک نظر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا پھر لاکٹ دیکھنے لگا۔

"اکیلے آئے ہیں؟" شزا نے سوال کیا۔

"میرا آنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ دوست زبردستی گھسیٹ لایا۔ اب اس کی فیانسی نظر آگئی تو مجھے داغ مفارقت دے گیا۔ اکیلے بور ہو رہا تھا۔ اچھا ہوا۔ آپ لوگ مل گئیں۔"

"جھوٹا کہیں کا۔ آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔" وہ جلبلا گئی۔

"آپ نے کچھ نہیں خریدا؟" شزا کی نظریں شرارتی ہو گئیں۔

"میرے استعمال کی تو چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو آپ صنف نازک کو ہی سوٹ کرتا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔

"کسی کو گفٹ دینے کے لیے ہی خرید لیں۔ راز کی بات ہے۔ ہم لڑکیاں گفٹ وصول کر کے خوش ہوتی ہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کسی کے لیے لے ہی لوں۔ اب آپ کہہ رہی ہیں تو عمل تو کرنا ہی پڑے گا۔" وہ دلفریبی سے مسکرا رہا تھا۔ "چلو آگے واک کر کے آتے ہیں۔" رجائیت نے کہا، مقصد اس کے پاس سے ہٹنا تھا۔

"نہ بھئی میں نہیں جاؤں گی۔ کیا معلوم کچھ پسند آگیا تو۔ میرے پاس زیادہ پیسے بھی نہیں ہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"مزید کچھ اور لینا ہے تو میں چلوں؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ تم اتنے ترش انداز میں کیوں باتیں کر رہی تھیں۔ وہ میرا کزن ہے یا تمہارا؟ تم دونوں کی لڑائی ہوئی

"یہ کیا؟" شہرون فریدی ادھر ادھر ہوا تو شزا نے تیکھی نظروں سے گھورا۔

"ہماری دوستی کبھی نہیں رہی تو لڑائی کیوں ہونے لگی۔" لہجہ حد درجہ بگڑا ہوا تھا۔ اسے اس ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔ شہرون فریدی تین کارنیٹو لے آیا۔ مشہور گلوکار کی آواز میوزیم میں گونجنے لگی۔

تمہارے ہیں
کہو اک دن
کہ جو کچھ بھی
ہمارے پاس ہے
سب کچھ تمہارا ہے
کہو اک دن

شزا نے تھینکس کہہ کر کارنیٹو لے لی۔ جب شہرون نے اس کی طرف بڑھائی تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

ستارہ سی جنہیں کہتے ہو
وہ آنکھیں تمہاری ہیں
جنہیں تم شاخ سی کہتے ہو
وہ باہیں تمہاری ہیں
جنہیں تم پھول سی کہتے ہو
وہ باتیں تمہاری ہیں
کہو اک دن

"تم آئس کریم نہیں کھا رہیں؟" شزا کی اس پہ نظر پڑی۔

"موڈ نہیں ہے۔"

"شیری! تم یہاں ہو۔ میں کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" اسی اثناء میں گرین سوٹ والی حسینہ چلی آئی۔ میوزک کی تیز آواز میں بھی اس کا اپنائیت و استحقاق سے پُر جملہ دونوں نے بغور سنا۔ شزا اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کون ہیں۔ تعارف نہیں کراؤ گے؟" وہ ادا سے گویا تھی۔

"یہ شزا اور یہ رجائیت علی زیدی ہیں، میری فرسٹ کزن۔ دونوں فرینڈ ہیں اور یہ عفیرا ہے۔" وہ بادلِ ناخواستہ تعارف کروا رہا تھا۔ چہرے سے ناخوشگواری عیاں تھی، جسے رجائیت نے "نوٹ" کئے سے تشبیہہ دی۔ عفیرا نے رسمی ہیلو ہائے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ کون سا مری جا رہی تھی۔

"مجھے کارنیٹو بہت پسند ہے۔" عفیرا نے کمال استحقاق سے کارنیٹو اس کے ہاتھ سے لے لی شزا نے جلبلا کر اسے ٹھوکا دیا مگر وہ نظریں سامنے جمائے کھڑی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے اس نے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔

"یہ تمہیں کھانی ہے۔" اس نے اپنی کارنیٹو زبردستی رجائیت کو تھما دی۔ عفیرا نے سلگتے ہوئے اس منظر کو دیکھا تھا پھر وہ جھٹکے سے مڑ گئی۔

"کون تھی یہ؟" شزا نے کریدا۔

"کیمپس میں کورس کر رہی ہیں۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔ وہ بل کھا کر رہ گئی۔

"شزا آگے چلتے ہیں۔ یہاں سے تو سنگر کی شکل بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔" شزا کا ہاتھ پکڑے وہ لوگوں کے جم غفیر سے آگے نکل گئی۔ شہرون فریدی نے کارنیٹو کو ڈسٹ بن میں ڈالتے دیکھ کر تحیر سے اس کی پشت کو دیکھا۔ اس کی حد درجہ لاتعلقی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ رجائیت علی زیدی ایک پہیلی تھی جو اس سے حل نہ ہو پا رہی تھی۔ کچھ دن پہلے وہ جس قدر قریب نظر آئی تھی۔ اب اتنی ہی دور لگ رہی تھی۔ وہ اس کا انداز سمجھنے سے قاصر تھا۔ اب بھی اسے چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ شو بہت زبردست ہوا تھا۔ وہ پارکنگ سے بلیک آلٹو نکال لائی تو اک بار پھر شہرون فریدی سے سامنا ہو گیا۔

"رات کافی ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ چلو۔" وہ بحیثیت کزن فکر مند تھا۔

"ہم اکیلے آئے تھے اور اکیلے ہی جائیں گے۔" تند لہجے میں کہتی زن سے آلٹو نکال لے گئی۔ کھڑکی میں جھکا وہ بے ساختہ پیچھے ہٹا۔

"یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟" شزا اس کے انداز دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھی۔ اتنی روڈ اور بدتمیز تو وہ کبھی نہیں رہی تھی۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔ فضول میں کسی کا احسان کیوں لیں؟"

"شہوان ٹھیک کہہ رہا تھا۔ رات کافی ہو گئی ہے ہمیں اس کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا۔" "کچھ نہیں ہوتا ہم کوئی پہلی دفعہ گھر سے نکلے ہیں۔" لہجہ لاپروا سا تھا۔ لیکن وہ زیادہ دیر لاپروائی کا مظاہرہ نہ کر سکی ایک سنسان سڑک پر گاڑی خراب ہو گئی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ دونوں کئی بار چیک کر چکی تھیں مگر اب مایوس کھڑی تھیں۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ دونوں پریشان ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ رو پڑتیں، کرے گاڑی تیزی سے گزرتے ہوئے ان کے پاس رکی۔ شہوان سرعت سے ان کی طرف آیا۔

"آر یو اوکے؟" وہ جھکا استفسار کر رہا تھا۔ شزا نے بمشکل سر ہلایا۔ رجی تو اس قابل بھی نہ رہی تھی۔ اس کے اوسان ابھی تک خطا تھے۔ عورت کتنی ہی پڑھی لکھی اور بہادر ہو بعض مقامات پر مرد کی برتری تسلیم کر ہی لیتی ہے۔ اسے یہ سوچ ہی اسے منجمد کر گئی کہ اگر ابھی وہ ان کی مدد کو نہیں آتا تو کیا ہوتا۔ یقیناً "اپنی بے وقوفی کا تاوان اسے عمر بھر ادا کرنا پڑتا۔

"تھینکس گاڈ آپ آگئے۔ مجھے تو سوچ کے ہی جھرجھری آرہی ہے۔" شزا کہہ رہی تھی، وہ خاموش بیٹھی تھی۔ شزا کو ڈراپ کر کے اس نے آلٹو کی رفتار کم کر دی اور اس کے گم صم انداز پہ اک گہری نظر ڈالی۔

"زندگی میں ایسے کیسز رونما ہوتے رہتے ہیں۔ دل تھوڑا کرنے کے بجائے ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے تاکہ مستقبل میں ایسے کیسز سے بچا جا سکے۔" وہ اسے اس ٹیز سے باہر لانا چاہ رہا تھا۔ گھر کا فاصلہ کم رہ گیا تھا مگر وہ ہنوز خموش تھی۔ دل کے کسی کونے میں ڈر چھپا تھا۔ وہ ڈانٹے گا، ملامت کرے گا، تمسخر اڑائے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔ ہارن پہ واچ مین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ گاڑی پورچ تک لے گیا۔

"رجی! جو کچھ ہم دیکھیں، سوچیں، محسوس کریں۔ بعض اوقات وہ ہماری نظر کا دھوکا ہوتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتے۔ پچھلی ہتھیلی پہ کی چبھن رکھتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر جانے والے راستے کی طرف مڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

فاصلے کی خلیج اک بار پھر ان کے مابین حائل ہو گئی۔ وہ اسے پڑھاتا رہا اور بالآخر اس کے پیپرز بھی ہو گئے۔ شہوان نے اس پہ بہت محنت کی تھی۔ اسے امید واثق تھی کہ وہ ضرور پاس ہو جائے گی۔ رزلٹ اناؤنس ہونے میں وقت تھا۔ اس نے اپنے ری سورسز سے پہلے ہی رجائیت علی زیدی کا رزلٹ کنفرم کر لیا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی مووی دیکھ رہی تھی۔ تب ہی وہ دندناتا ہوا داخل ہوا۔

"پیپرز کیسے ہوئے تھے تمہارے؟" وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہا تھا۔

"اچھے ہوئے تھے۔" اس نے ٹی وی آف کر دیا۔

"خاک اچھے ہوئے تھے۔ پولیٹکل سائنس میں چار، اکنامکس میں تین سوشیالوجی میں نو، اسلامک ہسٹری میں بارہ اور انگلش میں تینتیس نمبر حاصل کیے ہیں آپ نے۔ صرف انگلش میں پاسنگ مارکس ہیں۔ کیا ضرورت تھی اسے کلیئر کرنے کی؟ چاروں پیپرز کی طرح اس میں بھی "شاندار نمبر" سے فیل ہونا تھا۔ تمہیں پڑھنا نہیں تھا تو مجھے بتا دیتیں۔ تمہارا تو نہیں مگر میرا بہت نقصان ہوا۔ میں نے تو چاچی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ تم پڑھنے والی لڑکیوں میں سے ہو ہی نہیں ان کی ضد پہ ناحق میں نے تم جیسی کوڑھ مغز لڑکی کو پڑھانے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔ جب پڑھنے کا موڈ نہیں ہے تو کیوں پیسہ برباد کر رہی ہو۔ اگر نام کے ساتھ ڈگری لگانے کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھ سے کہو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تمہارے لیے خرید لاتا ہوں۔ تمہیں پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، معروف بزنس مین کی دختر نیک اختر ہو جس کا پرس روپوں سے بھرا رہتا ہے جسے ایگزیبیشن اور بوتیک پہ روپے لٹانے کا خبط ہے۔ تم کیا جانو کیریئر اور تعلیم کی اہمیت۔ اہمیت پوچھنی ہے تو ان

مجبور لڑکیوں سے پوچھو جو پڑھنا چاہتی ہیں مگران کے پاس وسائل نہیں۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی روشنی میں اپنا چین، سکون، نیند قربان کر کے پڑھتی ہیں۔ آنے والے کل میں انہیں صرف امتحان دینا نہیں ہوتا، روٹی کی فکر بھی ہوتی ہے۔ تم تھوڑی سی دریا دلی دکھاؤ اور ان پیسوں سے ان لڑکیوں کی مدد کرو جو پڑھنا چاہتی ہیں۔ کسی غریب کی مدد کر کے کم سے کم دعا ہی لے لو۔ تم کیریئر بنا کر، پڑھ کر کیا کرو گی؟ سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی ہو۔ باپ کے روپوں پہ عیش کر رہی ہو۔ پھر آگے کوئی کاٹھ کا الو مل جائے گا۔ تمہاری تو ساری انگلیاں گھی میں ہیں۔

لعنت ہے مجھ پہ جو چاچی کے کہنے پہ اپنا وقت برباد کرنے یہاں چلا آتا تھا۔ رجائیت علی زیدی صاحبہ! کبھی سوچا ہے اپنے باپ کے لیبل کے سوا آپ کے پاس اپنی کوئی پہچان یا مقام ہے؟ میں بھی کتنا پاگل ہوں جو تم سے یہ سب کہہ رہا ہوں، جانتا ہوں کہ تم جیسی لڑکی صرف باپ کے پیسوں پہ عیش کر سکتی ہے۔" کتنے سنسناتے تیر وجود میں اتر گئے تھے۔ وہ اپنا سارا غصہ نکال کر جا چکا تھا اور وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی، بے حس و حرکت۔ یوں لگ رہا تھا وہ سکتے میں آگئی ہو۔ رزلٹ توقع کے برخلاف نہیں تھا۔ اس نے پیپر میں کچھ لکھا ہوتا تب نمبر آتے ناں۔ "رزلٹ اناؤنس ہوا۔ اس کا رزلٹ وہی تھا جو شہوون بتا کر گیا تھا۔ ماما، پپا مارکس شیٹ دیکھتے تاسف سے سر ہلا رہے تھے اور زندگی میں پہلی بار اسے ندامت ہوئی تھی۔ ماما، پپا نے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ ان کے جھکے سر دیکھ رہی تھی۔ اس واقعہ کے بعد شہوون سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ ماما کی زبانی علم ہوا کہ وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ کراچی میں چار کیمپس کی بڑھتی مقبولیت کے بعد اس کا پلان پاکستان کے ہر شہر میں اپنا کیمپس کھولنے کا تھا۔ اسلام آباد میں زمین خرید چکا تھا اور اب وہاں تعمیر کروا رہا تھا۔

رجائیت علی زیدی کے اندر انقلابی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ بی اے فائنل کے ایگزام میں چھ ماہ تھے اور وہ یوں پڑھ رہی تھی جیسے کل ہی پیپر دینے جانا ہو۔ ایگزامینیشن فارم میں دونوں اپر کے پیپرز لکھتے ہوئے اسے اپنی اب تک کی دیوانگی پہ رونا آرہا تھا۔ وہ جو شاذ ہی کالج جاتی تھی۔ اب کالج سے واپس لوٹنا اسے گراں گزرتا تھا۔ فری پیریڈ میں سارا وقت لائبریری میں بیٹھ کر ریفرنس بکس، میگزینز سے نوٹس بناتی رہتی تھی۔ چھٹی کے وقت ساری لڑکیاں چلی جاتی تھیں مگر وہ لائبریری میں اکیلی لڑکی ہوتی تھی۔ مجبوراً "لائبریرین کو بتانا پڑتا تھا کہ لائبریری بند کرنا ہے۔ جب کبھی پڑھتے پڑھتے تھک جاتی۔ تھوڑی دیر سستانے لگتی تو شہوون فریدی کی آواز کوڑے کی طرح چمڑی ادھیڑ ڈالتی۔ "تم جیسی لڑکی کچھ نہیں کر سکتی۔" اور یہ جلتا جملہ وجود کو بھڑکتے الاؤ میں دھکیل دیتا تھا۔ پھر اک جنون رگ رگ میں دوڑنے لگتا۔ وہ کس قدر جینئس تھی یہ اس پہ اس وقت کھلا جب ٹیچرز نے اس کے بنائے اسائنمنٹ کی تعریف کی۔

بالآخر وہ دن بھی آگیا۔ جس کے لیے اس نے بھرپور تیاری کی تھی۔ پیپرز توقع سے زیادہ شاندار ہوئے تھے۔ سب متحیر رہ گئے۔ حیرت تو اسے بھی ہوئی تھی کہ پہلی پوزیشن کیوں نہ بنی۔ "ریکارڈ" کے برخلاف رزلٹ نے سب کو بے حد خوش کیا تھا۔ ماما، پپا، تائی جی، تاؤجی سب اسے سراہ رہے تھے۔ نیٹ سے رزلٹ کنفرم کر کے ماہ وش نے رات اسے کال کی تھی۔ سمیعہ، ودا، تانیہ، نبید سب نے اسے مبارک باد دی تھی۔ سب خوش تھے اور وہ سب کا ساتھ دیتے کسک محسوس کر رہی تھی۔ سرہانے رکھے کارڈلیس پر نظریں جمائے وہ ساری رات شدت سے بیل کی منتظر رہی۔ خاندان کے جتنے لوگوں کو خبر ہوئی سب نے کال کر کے مبارک باد دی تھی مگر ایک شخص نے نہیں دی۔

"کیا اسے خبر نہ ہوئی ہوگی؟ وہ کمپیوٹر کا کیڑا۔ کیا اسے کوئی مشکل ہو سکتی ہے، رزلٹ کنفرم کرنے میں؟" اس کی خموشی نے اسے کھولتے تیل میں ڈبو دیا ــــ آئی ٹی کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر اس نے کورس کرنے کا ارادہ باندھا تھا۔ ہارٹ بریک کنگ

digestlibrary.com

انسٹیٹیوٹ کی اس نے بڑی تعریف سنی تھی۔ کالج کی ہر دوسری لڑکی وہیں سے کورس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے یونہی دلچسپی ہوئی تھی اس انسٹیٹیوٹ میں۔ نام کی طرح بڑا ہی زبردست سیٹ اپ تھا۔ ویل مینرڈ وایجوکیٹڈ عملہ تھا۔ بے حد خوب صورت ریسپشنسٹ کو دیکھ کر اس نے نازش سے کہا تھا۔

"بڑا ہی حسن پرست بندہ لگتا ہے۔ کورس کرنے سے زیادہ مجھے تو اس انسٹی ٹیوٹ کے اونر کو دیکھنے کا اشتیاق ہو رہا ہے۔" نازش ریسپشن سے فارم لے رہی تھی۔ اس نے ہارٹ بریک کنگ سے جڑا نام دیکھا تو چکرا گئی۔ "شہون فریدی" آج تک اس نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اس کے انسٹیٹیوٹ کے بارے میں جاننے کی اور اب وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

یہی وہ مقبولیت ہے جس نے تمہارا دماغ عرش معلی پہ پہنچا دیا ہے۔ تب ہی تمہیں اپنے سامنے سب کیڑے مکوڑے لگتے ہیں۔" نازش اسے آوازیں دیتی رہ گئی مگر وہ یوں بھاگ آئی جیسے بدروحیں چمٹ جائیں گی۔ اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ اسٹیبلش ہو چکا تھا۔ آج کل اس کی رہائش وہیں تھی۔ مہینے میں ایک بار وہ کراچی کیمپس کا جائزہ لینے آتا تو گھر والوں سے ملاقات ہو جاتی۔ تائی جی کا میکہ بھی اسلام آباد میں تھا سو اکثر و بیشتر تائی جی بھی اس سے ملنے چلی جاتی تھیں۔ یہ ساری خبریں اسے ماما سے ملا کرتی تھیں۔

بس ایک اسی سے اس کا سامنا نہیں ہو رہا تھا۔ جب تک یونیورسٹی میں داخلے شروع ہوئے۔ تب تک اس نے دوسرے سینٹر میں ایڈمیشن لے لیا۔

☆ ☆ ☆

میڈیا سے دلچسپی کے پیش نظر ماسٹرز میں اس نے ماس کمیونیکیشن کا انتخاب کیا۔ بڑا اعتماد تو پہلے ہی تھی۔ فارغ وقت میں وہ مختلف اخبارات میں آرٹیکل لکھا کرتی۔ دیگر سرگرمیوں میں مصروف رہنے کے باوجود وہ ماسٹرز کو نہ بھولی تھی۔ دو سال کیسے گزر گئے پتا ہی نہ چلا۔ انسان اور جنون جب اک ریس میں دوڑ لگائے تو خبر نہیں رہتی کہ کتنا راستہ طے ہوا۔ بس آگے کی فکر رہتی ہے کہ فاتح یا مفتوح؟ اس کی انتھک محنت رنگ لے آئی۔ ماسٹرز کی ڈگری ہاتھ میں لے کر وہ بے ساختہ رو پڑی۔ یہ کاغذ کا بے جان ٹکڑا اس کے جنون کا حاصل تھا۔ اس کی زخم خوردہ انا کا مرہم تھا۔ دکھتے دل کا سہارا تھا۔ اسی بے جان ٹکڑے کے لیے اس نے نیند، سکون کی بھینٹ چڑھائی تھی۔ شاپنگ، کانسرٹ، فیشن ہر شوق کو قربان کیا تھا۔ اس نے عرصہ پہلے سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ کیا اِن ہے کیا آؤٹ؟ یاد تھا تو صرف اتنا کہ اپنے نام سے اپنی پہچان بنانی ہے۔ اس کا جنون رنگ لے آیا۔

اس دن۔ اخبار پڑھتے ہوئے اس کی نظر "فی میل نیوز کاسٹر کی ضرورت ہے" کی خبر پر پڑ گئی اس نے فوراً اپلائی کر دیا۔ اسے آڈیشن کے لیے بلا لیا گیا۔ وہ آڈیشن دے آئی۔ لڑکیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ رزلٹ کے لیے دس دن کا ٹائم دیا گیا تھا۔ گو کہ اسے کچھ زیادہ امید نہیں تھی۔ وہاں بیٹھا ہر شخص عمر اور تجربے میں اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ریجیکٹ بھی ہو جاتی تو اک تجربہ ہی ہوتا۔ دس دن بعد جب اسے سلیکٹ ہونے کی نوید دی گئی تو اک پل کو وہ اپنی جگہ پہ جم گئی۔ پھر ٹریننگ پریڈ سے گزرنا پڑا۔ مختلف مراحل سے گزر کر آج آن ایئر تھی سب نے ہی اسے سراہا تھا۔ ماما بھی جگمگاتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"لڑکی! کہاں تو تمہیں پڑھنے سے نفرت تھی اور کہاں یہ بڑے بڑے معرکے مارے جا رہے ہیں۔ یہ انقلاب کیونکر؟" شزہ استفسار کر رہی تھی۔

"پہلے بے عمل، بے مقصد تھی زندگی۔ اب اک مقصد ہے کہ جتنا ہو سکے اپنے عمل سے دوسروں کو فائدہ ہو۔ بدلتے معاشرے پہ اپنے افکار و خیالات کو سامنے لانے کے لیے میں نے میڈیا کا سہارا لیا ہے۔ جانتی ہوں میرا قلم، میری آواز انقلاب نہیں لا سکتی مگر ان کی حیثیت بارش کے قطرے جتنی تو ہوگی۔ زندگی یہ ہے جو میں اب گزار رہی ہوں۔ پہلے خود فریبی کے جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ شکر کہ وہ کسی نے مجھے جگا

مجھے میری صلاحیتوں سے روشناس ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اسی کے عوض میں اس کی تمام زیادتی معاف کرتی ہوں۔ اب جب میں روشنی میں آگئی ہوں تو میرا خیال ہے کہ ہم تمام لڑکیوں کو اپنے لیے اپنے کیریئر کے لیے سوچنا چاہیے۔

"یہ تو ہے۔ جب ہی میں نے ڈاکٹر شہریار کے پرپوزل پہ ہاں کہہ دیا آخر کو ڈاکٹر کی بیوی کہلاؤں گی۔" شنزہ کی شوخی آج بھی جوں کی توں تھی۔ وہ ہنس دی۔

"تھنکس بیڈ۔" خاندان کے دیگر لوگوں نے فون کر کے مبارک باد دی تھی۔ ماہ وش، ناریخ، عبید، داؤد کی بھی سرپرائزنگ کال آئی تھی۔ سمیعہ، ودا نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ تائی جی، تاؤ جی بار بار اسے سراہ رہے تھے سب ہی کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ پر خموشی تھی تو ایک ہی طرف۔ شہوون فریدی سے ہنوز سامنا نہیں ہو رہا تھا۔ پھر کارڈلیس کو تکتے ساری رات بیت گئی۔

☼ ☼ ☼

زندگی بڑی تلی بندھی گزر رہی تھی۔ آرٹیکل لکھنا۔ ٹی وی اسٹیشن جانا۔ زندگی انہی تین چیزوں کے گرد میں گھوم رہی تھی۔ پھر اس نے سنا شہوون فریدی لوٹ آیا ہے۔ ماما، پپا، تاؤ جی کے پورشن میں موجود تھے اور وہ کمرے میں بیٹھی آرٹیکل لکھ رہی تھی تقریباً مہینہ ہو گیا تھا اسے آئے مگر دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ نہ رجائیت علی زیدی اس سے ملنے گئی۔ نہ ہی اس نے اسے ملاقات کے قابل جانا۔ اسٹیریو پر کوئی نغمہ دھیمے سُروں سے بج رہا تھا۔ آنکھیں موندے وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ آج ٹی وی اسٹیشن میں تھکن ہو گئی تھی مگر اسے آج ہی آرٹیکل بھیجنا تھا۔ دروازے پہ دستک ہوئی، ماما تھیں۔

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" ماما شفیق انداز میں مسکرائیں۔

"ڈونٹ بی فارمل ماما۔ آئیں بیٹھیں۔" وہ اٹھ بیٹھی۔ ماما اس کے مقابل بیٹھ گئیں۔

"رجی! میں تم سے اک خاص بات کرنے آئی ہوں۔ تم جانتی ہو کہ میں نے ماہ وش اور تم سے روایتی ماؤں والا رویہ کبھی نہیں رکھا۔"

"آئی نو یو آر دا بیسٹ ماما۔"

"تم فرینک ہو کر بتاؤ، کیا تم نے لائف پارٹنر کا انتخاب کر لیا ہے؟" وہ ماما کی شکل دیکھتی رہی۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ شادی تو کرنا ہی ہے۔ اب بتاؤ، کیا تمہاری کمٹ منٹ ہے کسی سے؟" اس نے سنبھل کر نفی میں سر ہلایا۔

"ہمارے انتخاب پہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

"اتنی جلدی کیا ہے ماما؟" اسے الجھن ہونے لگی۔

"تم اپنی پسند سے کرنا چاہتی ہو؟"

"ایسا میں نے کب کہا۔ آپ لوگوں کی پسند میری پسند ہو گی۔"

"تمہاری تائی اور تاؤ جی آئی تھے کل شہوون کا پرپوزل لے کر۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" وہ جو اقرار کر چکی تھی۔ دھک سے رہ گئی۔ شہوون فریدی وہ جینئس بندہ جو اپنے سامنے کسی کو کچھ گردانتا نہیں۔ وہ جس نے اس کی انا کو کچل دیا تھا۔ وہ جسے آئے مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا تھا اور وہ اس سے ملنے نہیں آیا۔ اس کا پرپوزل؟ اگلے ہی لمحے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"آپ لوگ جس سے کہیں گے، میں اس سے شادی کرنے کو تیار ہوں مگر شہوون نو وے۔" ماما نے انکار کی وجہ پوچھی۔ مگر اس کا اک ہی جواب تھا۔

"کسی سے بھی کر دیں مگر اس سے نہیں۔" ماما تھک کر جا چکی تھیں۔ پھر تاؤ جی کو انکار کر دیا گیا۔ اسے لگ رہا تھا۔ تائی جی، تاؤ جی کی محبت میں کمی آجائے گی مگر انکار کے باوجود ایسا کچھ نہ ہوا۔ مقدر کے سکندر شہوون فریدی نے انکار سن کر کیسا ری ایکٹ کیا ہو گا، وہ تصور کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

موسم صبح ہی سے ابر آلود تھا۔ خود وہ نیوز میں

"بارش کا امکان ہے۔" پڑھ کر اسٹیشن سے گھر کے لیے نکلی۔ تب ہی زوروں کی بارش شروع ہو گئی۔ موسم کی مناسبت سے وہ گنگنا بھی رہی تھی بارش سے لطف اندوز ہوتے ڈرائیو کر رہی تھی۔ شام کے آٹھ بج رہے تھے مگر دھند کی چادر گہری رات کا منظر پیش کر رہی تھی۔ موسم کی رعنائی سے حظ اٹھاتے سفر کر رہی تھی۔ تبھی ریڈ شیراڈ جھٹکے کھا کر بند ہو گئی۔ سوئی اس کی غفلت کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ فیول کی ٹنکی خالی ہو چکی ہے۔ سنسان ایریا' برستی بارش' گرجتے بادل اور ملگجے اندھیرے نے موسم کی ساری رعنائی کھودی۔ اب تو اسے گھر پہنچنے کی فکر ستا رہی تھی۔ کافی دیر گاڑی کے اندر بیٹھی رہی کہ کوئی رکشہ' ٹیکسی گزرے' مگر موسم انجوائے کرنے کے چکر میں اس نے لمبا اور سنسان راستہ اختیار کیا تھا۔ اب یہی انجوائے منٹ بھاری پڑ رہی تھی۔ آسمان کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔ بارش رک جاتی تو وہ آگے اسٹاپ تک تو جا سکتی تھی۔ قریب ہی کسی پیٹرول پمپ کے آثار بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ دفعتاً شیشے پہ دستک دی گئی۔ وہ ایک دم سے ڈر گئی۔ کچھ سال پہلے کا واقعہ ایک دم سے یاد آ گیا۔ دستک اک بار پھر ہوئی تھی۔ گلاس پہ پانی کے قطرے جا بہ جا پڑے تھے جس کے باعث اسے صرف اک ہیولہ ہی نظر آیا۔ دستک دینے والے کو بھی احساس ہوا اس نے چوڑی ہتھیلی سے شیشے پہ بکھری بوندوں کو سمیٹا۔ اب کے وہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہ پائی۔ اجنبی کو اس کے اسٹیچو بننے پہ غالباً غصہ آ گیا تھا تب ہی اس نے شیشے پہ زور سے ہاتھ مارا جیسے شیشہ توڑنے کا ارادہ ہو۔ اس نے خاموشی سے شیشہ نیچے کر دیا۔

"لفٹ مل سکتی ہے۔ دراصل! کافی دور میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو چکا ہے۔" شہوار فریدی کھڑکی پہ جھکا گویا تھا۔

"فیول نہیں ہے گاڑی میں۔" اس نے ہولے سے کہا۔

"دوسرا ٹائر ہے گاڑی میں؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری گاڑی بھی کافی دور ہے۔ جانے اور پھر گاڑی سے فیول نکالنے میں کافی دیر ہو جائے گی۔ رات بھی کافی ہو رہی ہے۔ دس منٹ کی واک پہ اسٹاپ ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں وہیں چلنا چاہیے۔" گاڑی لاک کر کے وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ تیز پھوار نے اگلے ہی پل اسے شرابور کر دیا۔ برستا بھیگتا موسم جسم میں پھریری سی دوڑا گیا۔ وہ جارجٹ کے سوٹ میں کپکپا رہی تھی۔ اسٹریٹ لائیٹ کی ناکافی روشنی میں بجلی چمکتی تو پل بھر کو ہر چیز روشن ہو جاتی۔ چھم چھم برستے پانی کی دلفریب موسیقی ہر اٹھتے قدم پہ ردھم پیدا کر رہی تھی۔ اس کے کپکپاتے وجود کو اس نے اک نظر دیکھا پھر اپنے سراپے پہ بلو جینز اور بلو شرٹ کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

"سین تو خاصا افسانوی ہے' لیکن افسوس میرے پاس کوئی جیکٹ نہیں ہے' جو میں تمہیں دے سکوں۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ آج بارش ہونے والی ہے یا تم مجھے سر راہ مل جاؤ گی تو بائے گاڈ جیکٹ لے کر آتا۔ ویدر اپ ڈیٹ تم پہلے نہیں پڑھ سکتی تھیں۔" اس کے سنگ قدم اٹھاتے وہ از حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر دیکھے ہی گیا۔ بارش کے شفاف قطرے بوندوں کی شکل میں اس کے صبیح چہرے پہ بکھرے خود پہ نازاں دکھائی دے رہے تھے۔ ماحول میں بھیگی پراسرار لیکن معنی خیز خموشی طاری تھی۔ گویا کہیں دور سے ہوا کی لے پہ مدھ بھری آواز آ رہی تھی۔

بھیگی سی اک رات میں
لے آئی کیا ساتھ یہ
دھڑکنیں جو ہمیں کہنے لگی ہیں
خاموشی کے درمیان
کب چاہی کی بات یہ
دھڑکنیں جو ہمیں کہنے لگی ہیں
نہ کہو نہ سنو
خاموشی گفتگو ہونے لگی ہے

digestlibrary.com

خموشی کی گفتگو ہر کسی کو سمجھ نہیں آتی۔ سو آج اس نے بھی لفظوں کا سہارا لینے کی ٹھان لی۔

پکار غیر معمولی تھی۔ وہ بے حد چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"شروع سے ہم دونوں کے بیچ اک ان جانی خلیج حائل رہی اور یہ خلیج کیوں حائل رہی یہ صرف ہم دونوں ہی جانتے تھے۔ آج میں اس "کیوں؟" کا جواب دینے لگا ہوں۔ تمہیں کہیں لگے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھے ٹوک دینا۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا خود کو محبتوں کے حصار میں پایا۔ سب مجھ پہ جان وارتے تھے مگر یہ حسین دور بہت کم دورانیے پہ مشتمل رہا۔ صرف سات سال پھر اس کے بعد تم اس دنیا میں آ گئیں تو گھر کے تمام مکینوں کی محبت ہتھیا بیٹھیں۔ میں سات سال کا تھا۔ حسد، جلن جیسے جذبوں سے نابلد تھا مگر تم مجھے اچھی نہیں لگتی تھیں۔ تم غاصب تھیں جس کے آنے کے بعد سے سب مجھ سے بدل گئے تھے۔ تم پر سب کی توجہ نے مجھے تم سے متنفر کر دیا۔ اس وقت میرے معصوم ذہن نے مجھے سمجھایا کہ میں کچھ ایسا کام کروں کہ سب تمہاری جگہ مجھے امپورٹینس دیں۔ خود کو منوانے کا واحد ذریعہ تعلیم تھا۔ پڑھائی میں اچھا تو میں شروع سے تھا۔ اب میں نے جی جان لگا دیا اور نتیجہ حسب حال تھا۔ گھر والوں اور ٹیچرز کی تعریف مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ اس دن میں نے دیکھا تھا تم بھوک سے رو رہی تھیں۔ مگر سب میری خوشی میں تمہاری طرف سے غافل ہو گئے تھے۔ تم پہ ترس آنے کے بجائے مجھے تمہارے رونے سے خوشی ہوئی تھی۔ یہ سلسلہ چل نکلا' تم بھی اسکول جانے لگیں۔ تمہارے اندر کوئی مقابلہ بازی نہیں تھی۔ سو تم پاس ہونے لگیں۔

تم جینئس تھیں مگر جیسے جیسے تم بڑی ہو رہی تھی۔ تمہارا رزلٹ خراب ہونے لگا۔ مجھے خوشی ہوتی تھی جب سب مجھے سراہتے اور تمہیں ڈانٹتے تھے۔ میں تمہیں اگنور کرتا رہا مگر جب انٹر میں تمہاری دوبارہ سپلی آئی تو چونک گیا۔ ایسا کیوں؟ یہ سوال مجھے اکثر تنگ کرنے لگا۔ کسی کی ڈانٹ کا تم پہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ فیل ہو کر تم خوش ہوتی تھیں۔ تمہیں شرم دلانے کو سب میری مثال دیتے تھے۔ بجائے مجھ سے حسد اور مقابلے کے تم بخوشی فیل ہوتی گئیں۔ مجھے دنیا کی خبر ہو نہ ہو مگر میں تمہاری خبر اتنی رازداری سے رکھتا تھا کہ تم بھی بے خبر رہتی تھیں۔ تمہارا لائف اسٹائل مجھے چونکا گیا۔ مجھے لگتا تھا۔ ضرور کچھ "گڑبڑ" ہے۔ مجھے اک وہم سا ہو گیا تھا کہ ــــ لیکن یہ مجھے اپنی خام خیالی لگی۔ اس خیال سے پیچھا چھڑانے کی میں نے سر توڑ کوشش کی مگر ایسا نہ ہوا۔ پھر جب چاچی' ماما سے کہہ رہی تھیں کہ ایک سال میں تم نے تیسرے ٹیوٹر کو بھی بھگا دیا تو میں نے چاچی سے کہا کہ میں تمہیں پڑھا دیا کروں گا۔ یہ فقط اک بہانہ تھا تمہارے قریب رہنے کا۔ تمہیں قریب سے پرکھنے کا۔ پڑھانے سے پہلے میں نے اگلے ٹیوٹرز سے صرف شک دور کرنے کو ملاقات کی تھی۔ انہوں نے کہا تم پڑھنا ہی نہیں چاہتیں مجھے پھر بھی یقین نہ ہوا تم پڑھنے بے دلی سے پہلے روز آئیں تھیں۔ میری طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھیں۔ اسی وقت میں نے طے کیا تھا تمہیں "چیک" کروں گا اور جب احمر کی کال پہ تم نے "عفیرا" کا نام سنا تو تمہارے چہرے کے رنگوں نے میرے شک کو یقین کا روپ دے دیا۔ اس دن تمہاری شخصیت پہ چڑھا خول اتر گیا۔ یہ جان کر کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو' بے حد خوشی ہوئی تھی من کو۔ پھر ساری کڑیاں خود بخود ملتی چلی گئیں۔ تمہارا نہ پڑھنا' فیل ہو جانا' سال سال بھر میری شکل نہ دیکھنا' میں تمہیں اگنور کرتا تھا۔ تم سے یہ برداشت نہ ہوتا تھا۔ تمہارے علاوہ ہر کسی میں دلچسپی لیتا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کو تم نے بڑی نالائقی کا حل نکالا۔ مجھ سے اچھا پڑھ کر دکھا سکتی تھیں مگر تم نے غلط راہ کا انتخاب کیا تھا۔

یہ جان کر کہ تمہاری پروگریس میری وجہ سے خراب رہی ہے۔ میں ساری مقابلہ بازی بھول گیا۔ مجھے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ تم ہی تو تھیں جس نے مجھ سے میری محبت کی دنیا چھین لی تھی اور وہ بھی تم ہی

تھیں جس کے ننھے وجود نے مجھے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ بننے پہ مجبور کر دیا۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں' میری کامیابی کے پیچھے تمہاری شخصیت تھی۔ تم نہ ہوتیں تو شاید میں اتنا جینئس نہ ہوتا۔ مقابلے ہی مقابلے میں تم مجھے اونچائی تک لے آئی تھیں اور میری وجہ سے تمہارا کیریر داؤ پہ لگ رہا تھا۔ میں جس اسٹیج پہ کھڑا تھا۔ مجھے کیریر کی اہمیت کی خبر تھی۔ مجھے بے طرح غصہ تھا تم پر' مجھ سے محبت اپنی جگہ لیکن تم میرے لیے اپنا کیریر داؤ پر لگا دو مجھے کبھی منظور نہیں تھا۔ تب ہی تمہیں سنانے کو میں نے احمر کو اپنی لائف پارٹنر کی خوبیاں گنوائیں۔ تم پہ پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ ہوتا بھی کیسے "عفیرا" جو تمہارے ذہن سے چپک گئی تھی۔ پھر جب ہم نے بچپن میں وہ یادگار دن گزارا تب میں نے تم میں حیرت انگیز تبدیلی دیکھی تھی۔ مجھے قوی امید ہو گئی کہ میرا فرینک رویہ تمہیں سنوار سکتا ہے۔ میری یہ خوش فہمی چند روزہ رہی۔ میری اور ماہ وش کی باتیں سن کر تم پھر سے پرانے خول میں بند ہو گئیں۔ تم سمجھتی رہیں کہ میں عفیرا کے متعلق باتیں کر رہا ہوں۔ میں نے ماہ وش کو بتایا تھا کہ کسی کی نگاہ نے مجھے اسیر کر لیا ہے۔ اس کے اصرار پہ جب میں نے تمہاری تصویر ای میل کی تو اس نے میرے کہنے پر مجھے فون کیا تھا۔

اگر ماما مجھے نہ بتاتیں کہ انہوں نے تمہیں فون ریسیو کرنے کو کہا ہے تو میں کبھی نہ جان پاتا کہ تم نے پھر سے خول کیوں اوڑھ لیا۔ پگلی! وہ باتیں وہ شعر تمہارے لیے تھا۔ جس لڑکی کی آنکھیں عرصہ سے میرا خواب دیکھتی رہی تھیں' جو لڑکی میرے لیے اپنا کیریر داؤ پہ لگا دے۔ وہ مجھے پیاری نہ ہو گی؟"

رجائیت علی زیدی خاموشی سے اس کا ایک ایک حرف سن رہی تھی۔ کتنے حسین انکشافات ہو رہے تھے۔ اس مسحور کن ماحول سے وہ چاہتی بھی تو رہائی نا ممکن تھی۔

تعبیریں لے آؤں میں
تم سپنے دے دو مجھے
ایسا کیا ہے اتنے کیوں
اچھے لگتے ہو مجھے
تم ہی جینے کی آرزو
ہاں تم ہی جینے کی آرزو
نہ کہو نہ سنو
خاموشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے

"میں نے اپنی سی کوشش کر لی مگر تم خول سے باہر نہ نکلیں۔ تمہارے رزلٹ نے تو میرا دماغ خراب کر دیا تھا۔ اک اچھی بھلی لڑکی میری وجہ سے خود کو رول رہی تھی۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں تم سے دور ہو جاؤں۔ اسلام آباد میں انسٹیٹیوٹ کھولنے کا پلان میرا پرانا تھا۔ مگر جانے سے پہلے میں تمہیں جھنجوڑنا چاہتا تھا۔ پھر تمہارے رزلٹ کو بنیاد بنا کر میں نے جی بھر کر تم سے بدتمیزی کی۔ میرے پاس اور کوئی راہ نہ تھی اور وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ تمہاری انا پہ چوٹ پڑی تھی۔ نتیجتاً تمہاری تیسری پوزیشن آئی۔ ماما نے مجھے فون کر کے بتایا جبکہ میں نے نیٹ سے پہلے ہی کنفرم کر لیا تھا۔ ماما کہہ رہی تھیں میں تمہیں وش ضرور کروں۔ میں نے تمہارے لیے مبارکباد کا کارڈ خریدا اسے خوب صورتی سے لکھا اور اپنے کمرے کے دراز میں بند کر دیا۔ جب جب تمہاری کامیابیوں کی خبر ملی تمہارے لیے کارڈ خریدا اور اپنے کمرے کے دراز میں سیف کر دیا۔ تم نے ماسٹرز مکمل کیا۔ خبریں پڑھتے ہوئے پہلی بار تمہیں ٹی وی پہ دیکھا تو مت پوچھو کیا حال تھا۔ ساری مصروفیتوں کو پس پشت ڈالے میں ٹی وی کے آگے بیٹھا رہا۔ تم اتنی اچھی لگ رہی تھیں کہ جی چاہا' سب چھوڑ چھاڑ کر تم سے مل آؤں۔ مگر میں نے کارڈ خریدا' لکھا اور اسے بھی محفوظ کر لیا۔ صرف اس لیے کہ کہیں میرا عمل تمہیں راہ سے ہٹا نہ دے۔ میری محبت تمہاری راہ نہ کھوٹی کر دے۔ مجھے تم' تمہارا کیریر دونوں عزیز تھے۔ وہ تمام کارڈز میرے پاس بطور امانت پڑے ہیں۔ تم مجھ سے مزید برگشتہ ہو گئیں۔ تم نے دوسرے انسٹیٹیوٹ

سے ذیلوعہ لیا۔ ”بارٹ بریک کنگ سے نہیں۔“ آواز اب بے حد قریب آتی جا رہی تھی۔

”مجھے پھر بھی برا نہ لگا مگر اب جب میں نے بن باس کاٹ لیا صرف تمہارے لیے تو تم نے مجھے ریجیکٹ کر دیا۔ ایسا کیوں کیا تم نے؟“ وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ بارش اب بھی زوروں پہ تھی۔ چھم چھم کی آواز اب بھی گونج رہی تھی بجلی کی چمک ہر شے کو منور کر رہی تھی۔ مگر دونوں جیسے ماحول سے کٹ سے گئے تھے۔ رجائیت علی زیدی اس کے لبوں سے نکلنے والے اک اک لفظ پہ حیران ہو رہی تھی۔ جو جذبے اس نے خود سے بھی چھپا رکھے تھے ان کے رنگ تو عرصہ پہلے سے پہچان چکا تھا۔

”تم نے مجھے ریجیکٹ کیوں کیا؟“ وہ کڑے لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔ بھوری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑی تھیں۔ وہ گڑبڑا گئی۔

”وہ عفیرا۔“ اس کے بھیگے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ نفی میں سر ہلاتے وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا فائدہ ہوا اتنا عرصہ تم سے دور رہنے کا؟ بے وقوف کی بے وقوف ہی رہیں تم۔ عفیرا تو ہوا کا جھونکا تھی طوفان ہوتی تو بھی تمہارے حقوق غصب نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں نے عرصہ پہلے اپنا سب کچھ تمہارے نام لکھ ڈالا تھا۔ شاید اسی وقت جب تم اس دنیا میں آئی تھیں اور بڑی لگنے کے باوجود میں صرف تمہیں ہی سوچا کرتا تھا۔ عفیرا نے زیادہ تنگ کیا تو میں نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ تم میرے لیے کیا اہمیت رکھتی ہو۔ وہ عقلمند تھی راستہ بدل گئی۔ میوزیم میں عفیرا اتفاقاً ملی تھی اسے میرے ساتھ دیکھ کر تم نے کچھ اور ہی سمجھ لیا تھا۔ اس نے کارنیلو لے لیا تو تمہارے چہرے کے رنگوں نے مجھے غصہ دلا دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اس سے چھین لیتیں۔ الٹا جو میں نے تمہیں دیا وہ بھی پھینک کر چل دیں۔“ وہ جھگڑالو لوگوں کی طرح جابازپرس پہ اتر آیا۔

”میں نے سوچا تھا آپ اور۔۔۔“

”تم صرف اوٹ پٹانگ باتیں ہی کیوں سوچتی ہو؟“ وہ ایک دم سے سر جھکا گئی۔ اسے اعتراف تھا کہ محبت جتانے کا جو راستہ اس نے ڈھونڈا وہ یقیناً درست نہیں تھا بلکہ شہرون نے اسے جس راستے پہ ڈالا وہ درست تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اک ہی پہلو پہ سوچنے والے نقصان سے ہمکنار ہوتے ہیں صد شکر کہ اس نے اسے بڑے خسارے سے بچا لیا۔ شہرون فریدی نے جینز کی جیبوں کی تلاشی لی اور اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں نیلم کا وہی لاکٹ تھا جو اس نے ایگزیبیشن میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس کی متحیر نگاہوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔

”بے جان پتھروں کے ساتھ مجھے جیتے جاگتے انسانوں کی نفسیات جاننے کا بھی دعوا ہے۔ یہ میں نے اسی دن خریدا تھا۔ تمہاری پسندیدگی چھپی نہ تھی مجھ سے۔ بعد میں تم اسی لاکٹ کے لیے دوبارہ گئی اور بک جانے کا سن کر اپ سیٹ ہو گئی تھیں۔“ وہ اسے گزرا وقت یاد دلا رہا تھا۔ وہ متحیر اسے دیکھ رہی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

- 400/-
- 150/-
- 400/-
- 350/-
- 180/-
- خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا — 600/-

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی

لاہور میں
- لاہور اکیڈمی
- سلطان نیوز ایجنسی
- عظیم اینڈ سنز
- اسلامی کتب خانہ

مہران نیوز ایجنسی

اشرف بک ایجنسی

اس نے اس کی لاتعلقی، بے مروتی پہ کتنا کلستی تھی۔ وہ تو یہی سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ محبت کے رمز سے ہی واقف نہیں، مغرور اور خود پسند ہے اور اب وہی شخص بھوری آنکھوں میں محبت کا جہاں بسائے اس سے اظہارِ محبت کر رہا تھا۔ اپنا وجود اپنی محبت اس کے نام لکھ رہا تھا۔ اس نے جھک کر اس کے گلے میں لاکٹ ڈال دیا۔

"سوچا تھا پکڑ شکڑ باندھ کر حجلۂ عروسی میں تمہیں پہناؤں گا تب سے اٹھائے اٹھائے پھر رہا ہوں مگر یہ برستی بھیگتی رات بھی بری نہیں بلکہ خاصی رومینٹک ہے۔" اس کی نظروں، باتوں اور لمس سے وہ سمٹائے جارہی تھی۔

"کھنچائی کا بدلہ تو مجھے ریجیکٹ کر کے لے ہی چکی ہو اب میرے دل کی تسلی کے لیے اک بار کہہ دو کہ تم اب انکار نہیں کرو گی ورنہ پپا، ماما، چاچو، چاچی، ماہ وش سب میرا مذاق اڑائیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایکچولی! جب میں یہاں سے گیا تب میں نے سب کو اپنے پلان میں شامل کر لیا تھا اور آج بھی سب کچھ ایک پلان کے تحت ہوا تھا۔ پپا اپنی گاڑی میں مجھے یہاں تک چھوڑ گئے تھے اور تمہاری گاڑی کا فیول نکالنے کا آئیڈیا خود چاچو کا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بھیگی لٹ کو کان کے پیچھے کرتی وہ مسکرا دی۔ پھر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ "زندگی ایک بار ملتی ہے اور کچھ کر دکھانے کا موقع بھی اک بار ہی ملتا ہے۔ بے کار، بے مصرف زندگی کے ہزاروں کار آمد زندگی کے اک لمحے پہ بھاری ہیں۔ تو ہم کیوں نہ ایسے کام کر جائیں جو رہتی دنیا تک ہماری پہچان بن جائے۔ زندگی تو ہر کوئی گزارتا ہے۔ میں اپنے مستقبل کے معماروں میں سرسید، محمود غزنوی، نیل آرم سٹرانگ، گراہم بیل والے گٹس دیکھنا چاہتا ہوں۔ ان کی چھپی صلاحیتوں کو بام پہ لانا چاہتا ہوں کیا تم اس مشن میں میرا ساتھ دو گی؟" رجائیت علی زیدی بے ساختہ اسے دیکھتی رہی۔ کتنے اچھے افکار و خیالات تھے اس کے کتنا محب وطن تھا جو ملک کے معماروں کے لیے متفکر نظر آ رہا تھا۔ ورنہ اس کا کیا تھا۔ آرام سے امریکہ، کینیڈا سدھارتا اور ڈالرز میں کھیلتا۔ اس کی انفرادیت تو اس کے افکار میں پوشیدہ تھی۔

"آپ ہر سفر میں مجھے ہم قدم پائیں گے۔"

"پھر کبھی متنفر ہو گئیں تو؟" پانی کی بوند کو اس کے لبوں پر گرتے دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ میری کھنچائی کرنے لگے گا۔"

"اور بدلے میں تم میرا چین، سکون، نیند چرالو گی۔" اس کے عاجزانہ انداز پہ وہ ہنس پڑی۔

"سوچ رہا ہوں، کھنچائی کا انداز بدل دوں۔" بھوری آنکھوں کے شوخ زاویے نے اسے رخ پھیرنے پہ مجبور کر دیا۔ اس کی شریر نظروں نے اس خوب صورت انداز کو نگاہوں میں مقید کر لیا۔

"اک راز کی بات بتاؤں؟" متجسس نظروں سے وہ اس کے لبوں پہ مچلتی مسکراہٹ کو دیکھنے لگی۔

"میں نے اپنے سسٹم کے ڈیسک ٹاپ پہ تمہاری تصویر لگائی ہوئی ہے۔" وہ جو کسی خاص بات کی توقع کر رہی تھی غیر متوقع جملہ سن کر اس کے لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"مجھ پہ چھا جانے والی ہستی مل گئی ہے مجھے۔" وہ سر جھکا گئی۔ برستی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی۔ ماحول میں اک سحر بیدار ہو چکا تھا۔ ایسے میں دو متوالوں کے دل اک ہی لے پہ دھڑک رہے تھے۔ ساتھ چلتے شہروز فریدی نے اپنا دایاں ہاتھ بے ساختہ اس کی طرف پھیلا دیا تب اس نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔